نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ

ماهنامه

الحدیث

حضرو

شمارہ نمبر 55

ذوالحجہ ۱۴۲۹ھ دسمبر ۲۰۰۸ء

مدیر:

حافظ زبیر علی زئی

- حج اکبر کے بارے میں ایک وہم کا ازالہ
- حجیتِ اجماع اور اہلِ بدعت سے بغض
- تائیدِ ربانی اور ابن فرقد شیبانی
- قربانی کے احکام و مسائل
- عشرۂ ذی الحجہ

حضرو، اٹک: پاکستان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 5 | ذوالحجہ ۱۴۲۹ھ دسمبر ۲۰۰۸ء | شمارہ: 12

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

0300-5335233

معاونین

حافظ ندیم ظہیر — ابو جابر عبداللہ دامانوی

محمد صفدر حضروی — ابو خالد شاکر

برائے رابطہ

اعظم بلال — 0302-5756937

خورشید احمد الحسینوی — 0302-7032909

قیمت

فی شمارہ : 20 روپے

سالانہ : 200 روپے

علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک

250 روپے

خط کتابت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد

0300-5288783

مقام اشاعت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

اس شمارے میں

کلمۃ الحدیث حافظ زبیر علی زئی

ائمۂ اربعہ (اور دیگر علماء) نے تقلید سے منع فرمایا ہے

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**وأما أقوال بعض الأئمة كالفقهاء الأربعة وغيرهم فليس حجة لازمة ولا اجماعًا باتفاق المسلمين، بل قد ثبت عنهم - رضي الله عنهم - أنهم نهوا الناس عن تقليدهم ...**''

رہے بعض اماموں کے اقوال مثلاً فقہائے اربعہ وغیرہم تو مسلمانوں کے اتفاق سے یہ نہ لازمی دلیل ہیں اور نہ اجماع بلکہ ان (اماموں) سے اللہ راضی ہو، یہ ثابت ہے کہ انھوں نے لوگوں کو اپنی تقلید سے منع فرمایا تھا۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۰ ص ۱۰)

شیخ الاسلام کے اس قول کا مفہوم راقم الحروف نے ۲۰۰۰ء میں درج ذیل الفاظ میں بیان کیا تھا: ''یہ چاروں مجتہدین و دیگر علماء تمام مسلمانوں کو تقلید سے منع کرتے ہیں کما تقدم، (ص ۲۹ وفتاویٰ ابن تیمیہ ۲۰/۱۰، ۲۱۱) لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ دیوبندی حضرات ان چاروں مجتہدین کے مخالف ہیں۔'' (امین اوکاڑوی کا تعاقب، مطبوعہ مئی ۲۰۰۵ء ص ۳۸)

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے بھی مقلدین کے اماموں سے تقلید کا منع کرنا نقل کیا ہے۔ دیکھئے اعلام الموقعین (ج ۲ ص ۲۲۸، ۲۰۰، ۲۰۷، ۲۱۱) بلکہ حافظ ابن القیم نے فرمایا: ''**و إنما حدثت هذه البدعة فى القرن الرابع المذموم على لسان رسول الله ﷺ**''

اور (تقلید کی) یہ بدعت تو چوتھی صدی میں پیدا ہوئی ہے، جس کی ممانعت رسول اللہ ﷺ نے اپنی مبارک زبان سے فرمائی ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۰۸ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

اگر کوئی کہے کہ حافظ ابن تیمیہ وغیرہ نے جھوٹ بولا ہے (!) تو عرض ہے کہ سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے:

''اکثر اہل بدعت حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ کی رفیع شان میں بہت ہی گستاخی کیا کرتے ہیں مگر حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ ان کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں:

کانامن اکابر اهل السنة والجماعة ومن اولیاء هذه الامة
کہ حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیم دونوں اہلِ سنت والجماعت کے اکابر میں اور اس اُمت کے اولیاء میں تھے۔ (جمع الوسائل ج ا ص ۲۰۸ طبع مصر)

اور حافظ ابن القیم کی تعریف کرتے کرتے امام جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ پھولے نہیں سماتے (بغیۃ الوعاۃ)'' (المنہاج الواضح یعنی راہِ سنت ص ۱۸۷)

اگر کوئی کہے کہ فلاں امام مثلاً خطیب بغدادی وغیرہ نے تقلید کو جائز قرار دیا ہے۔ !

تو اس کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے لغوی تقلید (مثلاً جاہل کا عالم سے مسئلہ پوچھنا) جو کہ درحقیقت اصطلاحی تقلید نہیں ہے، کو جائز قرار دیا ہے جبکہ ائمہ اربعہ اور دیگر اماموں نے اصطلاحی تقلید (مثلاً آنکھیں بند کرکے، بغیر سوچے سمجھے اور بغیر دلیل کے ائمہ اربعہ میں سے صرف ایک امام کی تقلید) سے منع فرمایا ہے لہٰذا ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایک دن قاضی ابویوسف کو فرمایا: ''ویحك یا یعقوب ! لا تکتب کل ما تسمع مني فإني قد أرى الرأي الیوم و أترکه غدًا و أرى الرأي غدًا و أترکه بعد غدٍ'' اے یعقوب (ابویوسف) تیری خرابی ہو، میری ہر بات نہ لکھا کر، میری آج ایک رائے ہوتی ہے اور کل بدل جاتی ہے۔ کل دوسری رائے ہوتی ہے تو پھر پرسوں وہ بھی بدل جاتی ہے۔ (تاریخ یحییٰ بن معین ج ۲ ص ۶۰۷ ت ۲۴۶۱ وسندہ صحیح، وتاریخ بغداد ۱۳/ ۴۲۴)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''کل ما قلت ۔ و کان عن النبي (ﷺ) خلاف قولي مما یصح فحدیث النبي (ﷺ) أولی، ولا تقلدوني'' میری ہر بات جو نبی (ﷺ) کی صحیح حدیث کے خلاف ہو (چھوڑ دو) پس نبی (ﷺ) کی حدیث سب سے زیادہ بہتر ہے اور میری تقلید نہ کرو۔ (آداب الشافعی ومناقبہ لابن ابی حاتم ص ۵۱ وسندہ حسن)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ''لا تقلد دینك أحدًا من هؤ لاء '' إلخ اپنے دین میں، ان میں سے کسی ایک کی بھی تقلید نہ کر.... الخ (مسائل ابی داود ص ۲۷۷)

(۲۴/ اکتوبر ۲۰۰۸ء)

حافظ زبیر علی زئی

اضواء المصابیح

حجیتِ اجماع اور اہلِ بدعت سے بُغض

۱۷۱) وعن عبداللّٰہ بن عمرو قال قال رسول اللّٰہ ﷺ :

((لیأتین علٰی أمتي کما أتی علٰی بني إسرائیل حذو النعل بالنعل حتی إن کان منھم من أتی أمہ علانیۃ لکان في أمتي من یصنع ذلک . و إنّ بني إسرائیل تفرقت ثنتین و سبعین ملۃً و تفترق أمتي علٰی ثلاث و سبعین ملۃً کلھم في النار إلا ملۃ واحدۃ .)) قالوا : من ھي یا رسول اللّٰہ ؟ قال : ((ما أنا علیہ و أصحابي .)) رواہ الترمذي .

(سیدنا) عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اُمت پر ایک دور آئے گا جس طرح بنی اسرائیل پر آیا تھا، قدم بقدم یعنی بعینہ ان جیسا ہوگا، حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا ہوگا تو میری اُمت میں بھی ایسا کرنے والا کوئی نہ کوئی (ضرور) ہوگا۔

بنی اسرائیل کے بہتر (۷۲) فرقے ہوئے اور میری اُمت کے تہتر (۷۳) فرقے ہوں گے، ایک گروہ کو چھوڑ کر سب جہنم میں جائیں گے۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ (جنتی) گروہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

اسے ترمذی (۲۶۴۱) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس روایت کو امام ترمذی (مصور من المخطوطۃ ۲/۱۷۲، وقال: حسن غریب الخ) اور حاکم (۱/۱۲۹ ح ۴۴۴) نے سفیان الثوری عن عبدالرحمٰن بن زیاد الافریقی عن عبداللہ بن یزید عن عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) کی سند سے روایت کیا ہے۔

سفیان ثوری کی متابعت عیسیٰ بن یونس ، ابو اسامہ اور عبدہ بن سلیمان نے کر رکھی ہے۔ دیکھئے الضعفاء للعقیلی (۲۶۲/۲)

قاضی عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی نیک انسان ہونے کے ساتھ حافظے کی وجہ سے ضعیف تھا۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۳۸۶۲)

جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے مجمع الزوائد (۵/۵۶، ۸/۶۵، ۱۰/۲۵۰)

روایتِ مذکورہ میں ایک جملہ ''ما أنا علیه و أصحابي ''[جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔] ہے جس کا الضعفاء الکبیر للعقیلی (۲/۲۶۲، ترجمۃ عبداللہ بن سفیان الخزاعی) میں ایک بے اصل وضعیف شاہد بھی ہے۔ عبداللہ بن سفیان مذکور کو عقیلی نے ضعفاء میں ذکر کر کے (یعنی ضعیف قرار دے کر) فرمایا: اس (حدیث) کی یحییٰ بن سعید (الانصاری) سے کوئی اصل نہیں ہے۔ (الضعفاء ۲/۲۶۲ ت ۸۱۵)

تنبیہ: اگر کوئی کہے کہ عبداللہ بن سفیان الخزاعی الواسطی کو حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے تو عرض ہے کہ ہمیں کتاب الثقات میں عبداللہ بن سفیان مذکور کا ذکر نہیں ملا۔

الشریعہ للآجری (۱/۳۳۳ ح ۱۱۱) المجروحین لابن حبان (۲/۲۲۶) اور الکبیر للطبرانی (مجمع الزوائد ۱/۱۵۶، ۷/۲۵۹) وغیرہ میں سیدنا ابوالدرداء، ابوامامہ، واثلہ بن الاسقع اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے ایک روایت میں آیا ہے:

''من کان علی ما أنا علیه و أصحابي''

اس روایت کے راوی کثیر بن مروان الشامی کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:

'' قد رأیته ، کان کذابًا ''میں نے اسے دیکھا ہے، وہ کذاب (بہت جھوٹا) تھا۔

(تاریخ بغداد ۱۲/۴۸۲ ت ۶۹۵۴ وسندہ صحیح)

عبداللہ بن یزید بن آدم الدمشقی کی اس روایت کے بارے میں امام ابوحاتم الرازی نے کہا: میں اسے (عبداللہ بن یزید کو) نہیں جانتا اور یہ حدیث باطل ہے۔ (الجرح والتعدیل ۵/۱۹۷)

معلوم ہوا کہ یہ سند باطل اور موضوع ہے۔

خلاصۃ التحقیق: ''ما أنا علیه و أصحابي'' کے الفاظ صحیح یا حسن سند سے ثابت نہیں ہیں۔
البتہ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ طائفۂ منصورہ: فرقۂ ناجیہ وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے راستے پر گامزن ہے۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اور میرے صحابہ میری اُمت کا امن (حفاظت کا باعث) ہیں، جب میرے صحابہ (دنیا سے) چلے جائیں گے تو میری اُمت میں وہ چیزیں (مثلاً گمراہیاں اور بدعات وغیرہ) آ جائیں گی جن کا اُن سے وعدہ کیا گیا تھا۔ (صحیح مسلم:۲۵۳۱، اضواء المصابیح:۵۹۹۹)
اس حدیث سے بھی یہی ظاہر ہے کہ نجات والا راستہ صرف وہی ہے جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم گامزن تھے۔ والحمد للہ رب العالمین

۱۷۲) وفي روایة أحمد و أبي داود عن معاویة :((ثنتان وسبعون فی النار و واحدة فی الجنة وهي الجماعة وإنه سیخرج في أمتي أقوام تتجاری بهم تلك الأهواء كما یتجاری الكلب بصاحبه، لا یبقی منه عرق ولا مفصل إلا دخله .))
احمد (بن حنبل ۱۰۲/۴ ح ۱۷۰۶۱) اور ابوداود (۴۵۹۷) نے (سیدنا) معاویہ (بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے کہ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) بہتر (۷۲ فرقے) آگ میں ہیں اور ایک جنت میں ہے اور یہ الجماعت ہے۔ میری اُمت میں ایسی قومیں نکلیں گی جن میں بدعات اس طرح دھنس جائیں گی جس طرح کتے کے کاٹے ہوئے میں باؤلا پن جاری وساری ہوتا ہے، یہ بیماری اس کی ہر رگ اور جوڑ میں داخل ہوتی ہے۔
تحقیق الحدیث: اس کی سند حسن ہے۔
یہ روایت سنن ابی داود و مسند احمد کی طرح المستدرک للحاکم (۱۲۸/۱ ح ۴۴۳) میں بھی ازہر بن عبداللہ الہوزنی الحرازی عن ابی عامر عبداللہ بن لحی الحمصی عن معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی سند سے موجود ہے۔ ابو عامر عبداللہ بن لحی ثقہ مخضرم تھے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب:۳۵۶۲)
مخضرم اس تابعی کو کہتے ہیں جس نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا ہو مگر کسی وجہ سے آپ سے ملاقات نہ ہو سکی ہو، لہٰذا شرفِ صحابیت سے محروم رہے، گویا جماعتِ صحابہ سے کٹ کر

جماعتِ تابعین میں شامل ہو گئے۔

ازہر بن عبداللہ کے نسب میں بڑا اختلاف ہے۔ انھیں ازہر بن عبداللہ، ازہر بن یزید اور ازہر بن سعید بھی کہا جاتا ہے۔ دیکھئے تہذیب الکمال (۱/۱۶۵)

حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں انھیں ایک کے بجائے چار راوی بنا دیا ہے۔!

ازہر بن عبداللہ کو امام عجلی وغیرہ جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے اور اُن کا ناصبی ہونا صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔

جمہور محدثین جس کی توثیق کر دیں وہ راوی حسن الحدیث ہوتا ہے۔

فقہ الحدیث:

① اُمتِ اجابت (کلمہ گو مدعیانِ اسلام) میں تہتر (۷۳) فرقے ہو جائیں گے جن میں سے بہتر جہنمی اور ایک فرقہ جنتی ہوگا۔ یہ بات دوسری احادیث سے بھی ثابت ہے۔

② اہلِ بدعت اور بدعات کی مثال اس باؤلے کتے کی طرح ہے جو کسی کو کاٹ کر باؤلا اور پاگل کر دے۔

③ گمراہ فرقے جن کے عقائد کفریہ وشرکیہ تھے، جہنم میں ہمیشہ رہیں گے جیسا کہ عام دلائل (مثلاً سورۃ النساء آیت: ۴۸) سے ثابت ہے۔

④ الجماعۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جو عقائد واعمال وغیرہما میں جماعتِ صحابہ کے موافق و مطابق ہیں۔ انھیں اہلِ سنت و جماعت اور اہلِ حدیث وغیرہ کہا جاتا ہے۔ یہی لوگ کتاب و سنت اور اجماع والے راستے پر گامزن تھے اور ہیں اور یہی طائفہ منصورہ ہیں۔

⑤ اُمت میں بدعات، شرک اور کفر کے وقوع، ظہور اور رُونما ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ بات اپنی پیش گوئی کے مطابق واقع ہو چکی ہے۔ اعاذنا اللہ منھا

⑥ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو سچا رسول بنا کر بھیجا اور وحی کے ذریعے سے بعض اُمورِ غیبیہ کی اطلاع فرمائی۔

⑦ حدیث بھی وحی ہے۔

⑧ اہلِ بدعت سے دور رہنا چاہئے تا کہ اُن کی بیماری سے محفوظ رہیں۔

ایک بڑے امام ایوب السختیانی رحمہ اللہ نے جب ایک شخص کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا تھا: ''قوموا لا یعدینا بجربه'' اُٹھ جاؤ، یہ اپنی بیماری ہمیں نہ لگا دے۔

⑨ اہلِ بدعت کے ساتھ کوئی محبت اور نرمی نہیں بلکہ اُن سے بغض اور نفرت رکھنا ایمان کی نشانی ہے۔

⑩ اجماع حجت ہے۔

۱۷۳) وعن ابن عمر قال قال رسول اللّٰه ﷺ ((إن اللّٰه لا یجمع أمتي - أو قال : أمة محمد - علٰی ضلالة و ید اللّٰه علی الجماعة و من شذّ شذّ فی النار .)) رواه الترمذي .

(سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ میری امت یا اُمتِ محمدیہ کو گمراہی پر کبھی جمع نہیں کرے گا، اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے، جس نے مخالفت کی تو وہ آگ میں گرایا جائے گا۔

اسے ترمذی (۲۱۶۷ وقال: هذا حديث غريب) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

اس روایت کی سند میں ایک راوی سلیمان بن سفیان المدنی ضعیف ہے۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۲۵۶۳)

ابن معین، علی بن المدینی، ابوحاتم الرازی اور نسائی وغیرہم (جمہور) نے اس پر جرح کی ہے۔

فائدہ: حاکم نیشاپوری نے کہا: ''**حدثنا أبو بكر محمد بن أحمد بن بالويه : ثنا موسى بن هارون : ثنا العباس بن عبدالعظيم : ثنا عبدالرزاق : ثنا إبراهيم ابن ميمون العدني و كان يسمى قريش اليمن و كان من العابدين المجتهدين قال (☆) قلت لأبي جعفر : واللّٰه ! لقد حدثني ابن طاووس عن أبيه قال: سمعت ابن عباس يقول قال رسول اللّٰه ﷺ : ((لا يجمع اللّٰه أمتي علٰى**

ضلالة أبدًا ، ويد الله على الجماعة .)) ''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ میری اُمت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۱۱۶ ح ۳۹۹ وسندہ صحیح، ورواہ الترمذی: ۲۱۶۶ مختصراً)

[☆ المستدرک کے مطبوعہ نسخے میں قالت ہے (!) جس کی اصلاح اتحاف المہرۃ (۷/۲۹۷ ح ۷۸۴۸) سے کردی ہے۔ والحمدللہ]

اس حدیث میں طاؤس ، عبداللہ بن طاؤس ، عبدالرزاق بن ہمام اور عباس بن عبدالعظیم مشہور ثقہ راوی ہیں جن کے حالات تقریب التہذیب وغیرہ میں موجود ہیں۔

ابراہیم بن میمون الصنعانی العدنی کو امام ابن معین اور حافظ ابن حبان نے ثقہ قرار دیا۔ دیکھئے الجرح والتعدیل (۲/۱۳۵، ۱۳۶، وسندہ صحیح) وثقات ابن حبان (۸/۶۴)

حافظ ابن حجر نے کہا: ''ثقة'' (تقریب التہذیب: ۲۶۲)

موسیٰ بن ہارون البز از مشہور ثقہ امام تھے۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۱۲/۱۱۶، ۱۱۷)

محمد بن احمد بن بالویہ الجلاب النیسابوری رحمہ اللہ کی حدیث کو حاکم نے صحیح کہا۔

دیکھئے المستدرک (۲/۲۴۰، ۲۴۱ ح ۲۹۴۶، وقال: صدوق ۱/۲۱۱ ح ۷۶۵)

حافظ ذہبی نے انھیں اعیانِ محدثین اور اپنے علاقے کے روساء میں ذکر کیا۔

دیکھئے تاریخ الاسلام (۲۵/۱۹۴) آپ ۳۴۰ھ میں فوت ہوئے۔

نیز دیکھئے تاریخ نیشاپور طبقة شیوخ الحاکم (ص ۳۴۲ فقرہ: ۵۵۲)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا اجماع شرعی حجت ہے۔

اگر کوئی کہے: اُمت کے اجماع سے مراد یہ ہے کہ جب قیامت کے دن ساری اُمت اکٹھی ہوگی تو اس کا اجماع ہے۔!

اس کا جواب یہ ہے کہ پھر اس اجماع کا کیا فائدہ ہے؟ دوسرے یہ کہ اس قائل کے قول سے معلوم ہوا کہ اس کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ دنیا میں کسی دور میں بھی اُمت گمراہی پر

جمع ہو جائے۔! حالانکہ اس بات کا تصور بھی باطل ہے۔

فائدہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ''اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے'' سے معلوم ہوا کہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کو بہت سی جماعتیں بنا کر مختلف پارٹیوں، فرقوں، کاغذی تنظیموں اور ٹکڑیوں میں تقسیم ہو جانا جائز ہے۔

عرض ہے کہ اس حدیث کا یہ مفہوم بالکل غلط ہے۔ اس حدیث سے مراد صرف تین باتیں ہیں:

① اجماع حجت ہے۔

② کتاب وسنت اور اجماع کے مطابق صحیح خلافت اور خلیفہ پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

③ نماز باجماعت پڑھنی چاہئے۔

یہی وہ مفہوم ہے جو سلف صالحین سے ثابت ہے جبکہ پارٹیوں، مرّوجہ تنظیموں اور کاغذی جماعتوں کا وجود ﴿وَلَا تَفَرَّقُوْا﴾ اور ((وَلَا تَخْتَلِفُوْا)) کی رُو سے غلط ہے۔

تکبیراتِ عیدین میں رفع الیدین کا ثبوت

رسول اللہ ﷺ کا طریقۂ نماز بیان کرتے ہوئے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ ہر رکعت میں اور رکوع سے پہلے ہر تکبیر میں رفع یدین کرتے، یہاں تک کہ آپ کی نماز پوری ہو جاتی۔'' (مسند احمد ۲/۱۳۴ ح ۶۱۷۵ وسندہ حسن)

اس حدیث سے امام بیہقی اور امام ابن المنذر دونوں نے تکبیراتِ عیدین پر استدلال کیا ہے۔ ان کے مقابلے میں کسی ایک امام نے بھی اس استدلال کا ردّ نہیں کیا، نیز یہ بات آسان، عام اور قابلِ فہم ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع سے پہلے ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے اور عیدین میں تکبیریں رکوع سے پہلے ہی ہوتی ہیں لہٰذا حدیثِ رسول، سلف صالحین اور ائمہ کی تائید وتوضیح کے مقابلے میں موجودہ صدی کے بعض علماء کی قیل وقال کی ذرہ بھر حیثیت نہیں ہے، خواہ ان کا تعلق مغرب سے ہو یا مشرق سے، عرب سے ہو یا عجم سے....

حافظ ندیم ظہیر

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

پانی پینے کے بعد کی دعا

سوال: کیا پانی پینے کے بعد کوئی خاص دعا ثابت ہے؟
درج ذیل الفاظ پڑھنے کیسے ہیں؟
''الحمد للّٰه الذي سقاناه عذبًا فراتًا برحمته و لم يجعله ملحًا أجاجًا بذنوبنا''
[حمد وثنا اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہمیں اپنی رحمت سے میٹھا خوش گوار پانی پلایا اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے اُسے کھارا نمکین نہیں بنایا] (حوالہ مجھے معلوم نہیں)
تحقیق کر کے جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیراً (ابومحمد تنویر الدین سلفی، ستیانہ بنگلہ)

الجواب: ابن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **''حدثنا أبي: حدثنا عثمان بن سعيد بن مرة: حدثنا فضيل بن مرزوق عن جابر عن أبي جعفر عن النبي ﷺ أنه كان إذا شرب الماء قال: "الحمد للّٰه الذي سقاناه عذبًا فراتًا برحمته ولم يجعله ملحًا أجاجًا بذنوبنا''** (تفسیر ابن کثیر ۶/۱۰۵، الواقعہ: ۷۰)

جابر سے مراد جابر بن یزید الجعفی ہے اور اس کی سند سے یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے: حلیۃ الاولیاء (۸/۱۳۷، وفی سندہ تصحیف) کتاب الشکر لابن ابی الدنیا (۷۰) شعب الایمان للبیہقی (۴/۱۱۵ ح ۴۴۷۹ من طریق ابن ابی الدنیا) کتاب الدعاء للطبرانی (۸۹۹ و حرّفه محققه تحریفًا قبیحًا) اس روایت کی سند سخت ضعیف و مردود ہے۔ جابر الجعفی پر جمہور محدثین نے جرح کی ہے اور امام زائدہ بن قدامہ رحمہ اللہ نے فرمایا: جابر الجعفی کذاب تھا، وہ علی (رضی اللہ عنہ) کی رجعت پر ایمان رکھتا تھا۔ (تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۱۳۹۹، وسندہ صحیح)

امام سفیان بن عیینہ المکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے جابر الجعفی سے کچھ باتیں سنیں تو جلدی سے باہر نکل گیا، مجھے یہ خوف تھا کہ ہمارے اوپر چھت گر پڑے گی۔

(الکامل لابن عدی ۲/ ۵۳۹ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۲/ ۳۳۰)

ان کے علاوہ دوسرے محدثین کرام سے بھی جابر الجعفی پر شدید جرحیں ثابت ہیں اور ان جروح کی تائید میں عرض ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**ما رأیت أحدًا أکذب من جابر الجعفی**'' میں نے جابر الجعفی سے زیادہ جھوٹا کوئی نہیں دیکھا۔

(تاریخ یحییٰ بن معین، روایۃ الدوری: ۱۳۹۸، وسندہ حسن)

نیز دیکھئے میری کتاب الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (ص ۷۵)

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**ضعفہ الجمھور**'' اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (طبقات المدلسین ۵/۱۳۳)

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت سخت ضعیف و مردود ہے۔ نیز دیکھئے اتحاف المتقین للزبیدی (۵/ ۲۲۳) اور الضعیفہ للالبانی (۹/ ۲۱۷ ح ۴۲۰۲)

تنبیہ: پانی پینے کے بعد یہ (مذکورہ) دعا پڑھنا امام حسن بصری رحمہ اللہ سے ثابت ہے۔ امام ابن ابی الدنیا نے کہا: مجھے اسحاق بن اسماعیل (الطالقانی) نے حدیث بیان کی: ہمیں جریر بن (عبدالحمید) نے عبداللہ بن شبرمۃ سے حدیث بیان کی کہ حسن (بصری) جب پانی پیتے تو یہ (دعا) پڑھتے تھے۔ (کتاب الشکر: ۷۰ وسندہ صحیح، موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا ۱/ ۴۸۷)

لہٰذا پانی پینے کے بعد آثارِ سلف صالحین کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے یہ دعا پڑھنا جائز ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اُس بندے سے راضی ہو جاتا ہے جو کھانا کھاتا ہے تو اس پر اللہ کی حمد بیان کرتا ہے اور مشروب پیتا ہے تو اس پر اللہ کی حمد بیان کرتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۷۳۴)

سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کھاتے یا پیتے تو فرماتے: ((**الحمد للّٰہ الذي أطعم وسقٰی وسوّغہ و جعل لہ مخرجًا**))

حمد و ثنا اللہ ہی کے لئے ہے جس نے کھلایا، پلایا، اسے خوش گوار بنایا اور (نظامِ انہضام مقرر کر کے) مخرج بنا دیا۔ (سنن ابی داود: ۳۸۵۱ وسندہ صحیح)

یہ دعا پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ **وما علینا إلا البلاغ**

حافظ زبیر علی زئی

تائیدِ ربانی اور ابنِ فرقد شیبانی

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الأمین، أما بعد:

محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی اور محدثینِ کرام:

فقہ حنفی کے مشہور امام اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی الفقیہ (متوفی ۱۸۹ھ) کے بارے میں محدثینِ کرام کی گواہیاں اور تحقیق پیشِ خدمت ہے:

① امام ابوزکریا یحییٰ بن معین بن عون البغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۳ھ) نے فرمایا:
''**جهمي كذاب**'' یعنی محمد بن الحسن جہمی کذاب ہے۔ (کتاب الضعفاء للعقیلی ۵۲/۴ وسندہ صحیح، لسان المیزان ۱۲۲/۵، دوسرا نسخہ ۲۸/۶ وعندہ: ''العباس الدوری'' والدوری ثقۃ مشہور فالسند صحیح)

☆ امام یحییٰ بن معین سے اس جرح کو عباس بن محمد البصری (متوفی ۳۰۶ھ) نے بیان کیا ہے۔ عباس بن محمد بن عباس البصری المصری الفزاری ابوالفضل سے ابوبکر احمد بن محمد بن عبداللہ بن صدقہ الحافظ، الحسن بن رشیق، امام طبرانی، ابوعلی الحسن بن علی المطرز، ابوسعید بن یونس المصری اور حسین بن محمد بن سالم وغیرہم نے روایتیں بیان کی ہیں۔ عباس مذکور کے شاگرد ابوسعید بن یونس المصری نے (تاریخ مصر/ اخبار مصر ورجالھا میں) کہا:
''**ما رأيت أحدًا قط أثبت منه**'' میں نے اس سے زیادہ ثبت (ثقہ) کوئی نہیں دیکھا۔
(سیر اعلام النبلاء ۲۳۰/۱۴)

حافظ ذہبی نے کہا: ''**الحافظ المجوّد الناقد**'' (النبلاء ۲۲۹/۱۴)
حافظ ہیثمی نے ''**وبقية رجاله ثقات**'' کہہ کر انھیں ثقہ کہا۔
دیکھئے مجمع الزوائد (۳/۷) اور المعجم الکبیر للطبرانی (۱۱۵/۱۲ ح ۱۲۶۳۷)
عباس بن محمد البصری کی متابعت محمد بن احمد الاصفری (؟/ المجروحین لابن حبان ۲۷۶/۲) محمد بن

سعد العوفی (ضعیف والسند الیہ ضعیف/ تاریخ بغداد ۲/ ۱۸۰، الکامل لابن عدی ۶/ ۲۱۸۳، دوسرا نسخہ ۷/ ۳۷۵)
نصر بن محمد البغدادی (تاریخ بغداد ۱۳/ ۴۴۹ وصوابہ مضر کما فی التنکیل ۱/ ۴۹۰ فالسند صحیح)
اور دارقطنی (لم یدرک الامام یحیٰی بن معین / سوالات البرقانی: ۴۶۸، تاریخ بغداد ۲/ ۱۸۱، وسندہ صحیح) نے کر رکھی ہے لیکن صحیح سند کے بعد ان متابعات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

عباس بن محمد البصری سے یہ جرح ابوبکر احمد بن محمد بن صدقہ البغدادی نے روایت کی ہے۔

ابن صدقہ کے شاگرد امام ابوالحسین بن المنادی نے اپنی کتاب افواج القراء میں فرمایا:

''**كان من الحذق والضبط علٰى نهاية ترضي بين أهل الحديث كأبی القاسم ابن الجبلي ونظرائه** '' وہ انتہائی زیادہ ماہر ہوشیار اور ضابط (ثقہ) تھے، اہلِ حدیث مثلاً ابوالقاسم (اسحاق بن ابراہیم) ابن الجبلی (ترجمتہ فی تاریخ بغداد ۶/ ۳۷۸ والسیر ۱۳/ ۳۴۳) وغیرہ اُن سے نہایت راضی تھے۔ (تاریخ بغداد ۵/ ۴۱ ت ۲۳۹۵)

امام ابوالشیخ الاصبہانی نے انھیں ''**الحافظ** '' کہا۔ امام ابن المنادی وغیرہ نے اُن کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ امام دارقطنی نے فرمایا: ''**ثقة ثقة** ''

(سوالات الحاکم للدارقطنی: ۳۸، تاریخ دمشق لابن عساکر ۵/ ۳۷۲ وسندہ صحیح)

حافظ ذہبی نے فرمایا: ''**الإمام الحافظ المتقن الفقيه** '' (النبلاء ۱۴/ ۸۳)

اور فرمایا: ''**وكان موصوفًا بالإتقان والتثبت** '' اور وہ متقن اور ثقہ ثبت ہونے کے ساتھ موصوف تھے۔ (ایضاً ۱۴/ ۸۳)

ابن عساکر نے کہا: ''**الحافظ البغدادي**'' (تاریخ دمشق ۵/ ۳۷۱)

خطیب بغدادی نے کہا: ''**وكان ثقة**'' (تاریخ دمشق لابن عساکر ۵/ ۳۷۲ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ ابن صدقہ الحافظ کے ثقہ ہونے پر اجماع ہے۔

فائدہ: جرح یا تعدیل کرنے والے امام کے لئے راوی کا معاصر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ زمانۂ تدوینِ حدیث میں، بعد والے دور کے ثقہ وصدوق اماموں کی جرح و تعدیل بھی مقبول ہے بشرطیکہ جمہور ائمہ و محدثین کے خلاف نہ ہو۔ اگر جرح یا تعدیل پر اتفاق ہو،

اختلاف نہ ہوتو وہ قطعی اور یقینی طور پر مقبول ہوتی ہے اور اگر اختلاف ہوتو تعارض اور عدمِ تطبیق کی حالت میں ہمیشہ جمہور محدثین (اور ائمۂ متقدمین کو متاخرین پر) ترجیح حاصل ہے۔

خلاصۃ التحقیق: جرح مذکور امام یحییٰ بن معین سے باسند صحیح ثابت ہے۔

تنبیہ: فرقہ جہمیہ ایک گمراہ فرقہ ہے جو اہلِ سنت و جماعت سے خارج ہے۔

امام ابن معین نے مزید فرمایا: ''لیس بشئ '' محمد بن الحسن کچھ چیز نہیں ہے۔

(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۷۷۰، الجرح والتعدیل ۷/۲۲۷ وسندہ صحیح)

☆ تاریخ ابن معین کے اس نسخے کے راوی ابوالفضل عباس بن محمد الدوری ثقہ حافظ ہیں۔ دیکھئے الکاشف للذہبی (۲/۶۱ ت ۲۶۳۴)

ان کے ثقہ ہونے پر اجماع ہے۔ عباس الدوری سے روایتِ مذکورہ امام ابوالعباس محمد بن یعقوب بن یوسف الاصم (راوی التاریخ عنہ/ ثقہ) امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی (الجرح والتعدیل ۷/۲۲۷) اور ابن حماد دولابی حنفی (الکامل لابن عدی ۶/۲۱۸۳، دوسرا نسخہ ۷/۳۷۵، والدولابی ضعیف علی الراجح) نے کر رکھی ہے۔

معلوم ہوا کہ عباس الدوری کی نقل کردہ یہ جرح امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے باسند صحیح ثابت ہے۔

فائدہ: امام یحییٰ بن معین جس راوی کو لیس بشئ کہتے ہیں، اس جرح کی تین حالتیں ہیں:

۱: جمہور محدثین نے اس راوی کی توثیق و تعریف کر رکھی ہے۔

یہاں امام ابن معین کی جرح جمہور کے مقابلے میں مردود ہے۔

۲: راوی قلیل الحدیث ہے۔ یہاں اس جرح کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ اس راوی کی حدیثیں بہت تھوڑی ہیں۔ حافظ ابن القطان الفاسی المغربی اور حافظ ابن حجر (ہدی الساری ص ۴۲۱ ترجمۃ عبدالعزیز بن المختار) کا کلام اس پر محمول ہے۔ اب یہ راوی ثقہ ہے یا ضعیف؟ اس کے بارے میں جمہور محدثین کی تحقیق کو ترجیح دی جائے گی۔

۳: جمہور محدثین نے اس راوی پر جرح کر رکھی ہے۔ یہاں امام ابن معین کی جرح مقبول

ہے اور قرائن دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا کہ یہاں عام جرح مراد ہے یا شدید جرح ہے۔
عبدالحئ لکھنوی وغیرہ بعض الناس کا یہ پروپیگنڈا کرنا کہ امام ابن معین کی جرح ''لیس بشئ'' مطلقاً اس پر محمول ہے کہ راوی کی حدیثیں بہت تھوڑی ہیں، کئی وجہ سے مردود ہے۔ مثلاً:
۱۔ جمہور محدثین کے نزدیک ایک ضعیف راوی شرحبیل بن سعد الخطمی الانصاری کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''لیس بشئ، ھو ضعیف'' وہ کچھ نہیں، وہ ضعیف ہے۔ (تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۱۰۴۶، الجرح والتعدیل ۳۳۹/۴ وسندہ صحیح)
معلوم ہوا کہ امام ابن معین لیس بشئ سے ضعیف مراد لیتے تھے۔
۲۔ اسحاق بن ادریس البصری کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:
''لیس بشئ یضع الأحادیث'' وہ کچھ چیز نہیں، وہ حدیثیں گھڑتا تھا۔
(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۴۲۱۳، الضعفاء للعقیلی ۱۰۱/۱، الکامل لابن عدی ۳۲۲/۱، دوسرا نسخہ ۵۴۲/۱)
۳۔ حسین (بن عبداللہ) بن ضمیرہ کے بارے میں امام ابن معین نے گواہی دی:
''کذاب لیس ھو بشئ'' وہ جھوٹا ہے، وہ کچھ چیز نہیں ہے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۱۰۸، الکامل لابن عدی ۷۶۷/۲، دوسرا نسخہ ۲۲۶/۳ بلفظ: ''کذاب لیس حدیثه بشئ'')
۴۔ عبدالفتاح ابوغدہ الکوثری (حنفی تقلیدی) نے کتاب الرفع والتکمیل کے حاشیے (ص ۲۱۳ تا ۲۲۰) میں تیس (۳۰) مثالیں پیش کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ امام ابن معین کا قول: لیس بشئ (عام طور) پر راوی کی تضعیف ہوتی ہے۔
(بحوالہ معجم علوم الحدیث النبوی لعبدالرحمٰن بن ابراہیم الخمیسی ص ۱۸۸)
ابوغدہ الکوثری کا ایک حوالہ آگے آرہا ہے۔ ان شاء اللہ
۵۔ امام ابن معین نے فرمایا: وہ کچھ چیز نہیں اور اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ (الکامل لابن عدی ۲۱۸۳/۶) جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ان شاء اللہ
معلوم ہوا کہ امام ابن معین کے نزدیک لیس بشئ (عام طور پر) شدید جرح ہے۔
اور امام ابن معین نے مزید فرمایا: ''لیس بشئ ولا تکتب حدیثه''

محمد بن الحسن کچھ چیز نہیں ہے اور تم اس کی حدیث نہ لکھو۔ (تاریخ بغداد ۱۸۰/۲، ۱۸۱، وسندہ حسن)

☆ امام ابن معین سے اس جرح کو ابو جعفر احمد بن سعد (بن الحکم) بن ابی مریم المصری نے روایت کیا ہے۔ اُن کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا: ''**الإمام الحافظ**''

(النبلاء ۳۱۱/۱۲)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا: ''**صدوق**'' سچا ہے۔ (تقریب التہذیب: ۳۶)

تحریر تقریب التہذیب میں ہے: ''**بل ثقة**'' بلکہ ثقہ ہے۔ (۶۲/۱)

تنبیہ: احمد بن سعد بن ابی مریم کے بجائے تاریخ بغداد میں غلطی سے احمد بن سعید بن ابی مریم چھپ گیا ہے جس کی اصلاح ہم نے کتبِ رجال سے کر دی ہے۔

ابن ابی مریم سے اس جرح کے راوی علی بن احمد بن سلیمان المصری المعروف: علان کے بارے میں ابن یونس المصری نے کہا: ''**وكان ثقة ... إلخ**'' (سیر اعلام النبلاء ۴۹۶/۱۴)

حافظ ذہبی نے کہا: ''**الإمام المحدّث العدل**'' (النبلاء ۴۹۶/۱۴)

حاکم اور ذہبی دونوں نے اُن کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (المستدرک وتلخیصہ ۵۵۲/۱ ح ۲۰۲۷)

طحاوی حنفی نے کہا: ''**حدثنا علي بن أحمد بن سليمان : علان جارنا**''

ہمیں علی بن احمد بن سلیمان: علان ہمارے پڑوسی نے حدیث بیان کی۔

(شرح مشکل الآثار طبع جدید ۱۴۱/۴ ح ۱۴۱۳)

لہٰذا جمہور کی توثیق کے بعد اُن کے اخلاق میں تندخوئی اور بدمزاجی (زعارہ) کا روایتِ حدیث پر کوئی اثر نہیں ہے۔

اُسے علی بن احمد سے محمد بن المظفر الحافظ البزاز نے بیان کیا ہے جنھیں عتیقی اور محمد بن ابی الفوارس نے ثقہ مامون، خطیب نے حافظ فہم (سمجھدار) صادق مکثر اور ذہبی نے ''**الحافظ الإمام الثقة**'' قرار دیا ہے۔ (تاریخ بغداد ۲۶۲/۳، ۲۶۳، تذکرۃ الحفاظ ۹۸۰/۳ ت ۹۱۶)

امام دارقطنی اُن کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد ۲۶۳/۳ وسندہ صحیح)

جمہور کی توثیق کے بعد اُن پر ابوالولید الباجی کی جرح ''**فيه تشيع ظاهر**'' مردود ہے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے اس جرح کے مردود ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔
دیکھئے لسان المیزان (۳۸۳/۵، دوسرا نسخہ ۵۳۴/۶)
محمد بن المظفر الحافظ کے شاگرد ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ الانماطی المعروف باللاعب کے بارے میں خطیب نے کہا: میں نے اُن سے لکھا ہے اور اُن کا سماع صحیح تھا، اور مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ رافضی تھا۔ (تاریخ بغداد ۲۳۸/۴، ۲۳۹ ت ۱۹۶۳)
رافضی والی جرح اس وجہ سے مردود ہے کہ اس کے بتانے والے کا نام معلوم نہیں اور خطیب نے ''ان کا سماع صحیح تھا'' کہہ کر اس جرح کو رد کر دیا ہے۔ یہ حسن روایت امام عباس الدوری کی صحیح روایت کا بہترین شاہد ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ یہاں لیس بشيء شدید جرح ہے۔
فائدہ: امام ابن معین عام طور پر جس راوی کو لیس بشيء کہتے ہیں تو وہ شدید جرح ہوتی ہے۔ دیکھئے حاشیہ عبدالفتاح ابی غدۃ الحنفی علیٰ اعلاء السنن (۲۶۳/۱۹، ۲۶۴)
☆ **تنبیہ:** اگر کوئی یہ کہے کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ متشدد و متعنت تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جارح کی جرح کی دو حالتیں ہوتی ہیں:
۱: جمہور کے خلاف ہو۔
ایسی حالت میں جرح مردود ہوتی ہے چاہے امام ابن معین کی جرح ہو یا کسی دوسرے امام کی۔
۲: جمہور کے خلاف نہ ہو۔
ایسی حالت میں جرح مقبول ہوتی ہے چاہے متشدد و متعنت کی جرح ہو یا معتدل و منصف کی۔
چونکہ شیبانی مذکور کے بارے میں امام ابن معین کی جرح جمہور کے خلاف نہیں بلکہ جمہور کے مطابق و موافق ہے لہٰذا یہاں مقبول ہے۔
اگر کوئی یہ کہے کہ امام ابن معین نے صحیح بخاری کے راویوں مثلاً امام احمد بن صالح المصری اور احمد بن عیسیٰ المصری وغیرہما پر بھی جرح کی ہے۔ وہاں آپ کیوں نہیں مانتے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد بن صالح اور احمد بن عیسیٰ وغیرہما پر جرح چونکہ جمہور کے خلاف ہے لہٰذا مردود ہے۔

اگر کوئی کہے کہ امام ابن معین کی جرح خود اُن کی تعدیل سے معارض ہے کیونکہ انھوں نے محمد بن الحسن الشیبانی سے اس کی کتاب الجامع الصغیر لکھی تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی سے کتاب یا روایات لکھنا اور چیز ہے اور آگے وہ کتاب یا روایات بیان کرنا اور چیز ہے۔ امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: ''إذا کتبت فقمّش و إذا حدّثت ففتش '' جب تو لکھے تو ہر ایک سے لکھ اور جب روایت کرے تو تفتیش (وتحقیق) کر۔ (الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب ۲/۲۲۰ ح ۱۶۷۰، وسندہ حسن لذاتہ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ خلیلی نے الارشاد (کتاب) میں صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ یحییٰ بن معین ایک راوی ابان (بن ابی عیاش/سخت مجروح ومتروک) کا نسخہ لکھ رہے تھے...الخ ملخصاً (تہذیب التہذیب ۱/۱۰۱، ترجمۃ ابان بن ابی عیاش)

لکھنا اور چیز ہے اور روایت کرنا اور چیز ہے۔ امام ابن معین سے الجامع الصغیر یا کسی روایت کا محمد بن الحسن مذکور سے روایت کرنا باسند صحیح وحسن ثابت نہیں ہے لہٰذا یہاں مطلق طور پر کتاب لکھنے کو تعدیل بنا دینا غلط ہے جبکہ مقابلے میں صریح اور واضح جرح ثابت ہے۔

۲) امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی البغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۱ھ) نے محمد بن الحسن کے بارے میں فرمایا: ''لیس بشئ و لا یکتب حدیثه . ''

وہ کچھ چیز نہیں ہے اور اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ (الکامل لابن عدی ۶/۲۱۸۳، وسندہ صحیح)

☆ اس جرح کے راوی احمد بن سعد بن ابی مریم المصری ثقہ صدوق ہیں جیسا کہ جرح نمبر ا کے تحت گزر چکا ہے اور علی بن احمد بن سلیمان المصری ثقہ تھے۔ کما تقدم (تحت جرح:۱)

اس شدید جرح کے مقابلے میں امام احمد سے شیبانی مذکور کی توثیق ثابت نہیں ہے بلکہ ان کی دیگر جروح کے ساتھ یہ بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ انھوں نے اپنی بڑی کتاب مسند احمد میں محمد بن الحسن الشیبانی سے ایک روایت بھی نہیں لی۔

اگر کوئی کہے کہ ۶۵۷ھ میں پیدا ہونے والے سلیمان بن عبدالقوی بن عبدالکریم الطّوفی الصرصری البغدادی الحنبلی (متوفی ۷۱۶ھ) نے کہا: امام احمد سے آخری بات یہ

ثابت ہے کہ وہ اس کے بارے میں حسنِ ظن کے قائل ہو گئے تھے اور تعریف کرتے تھے۔
اسے ہمارے ساتھیوں میں سے ابوالورد نے کتاب اصول الدین میں ذکر کیا ہے۔
(مختصر الروضۃ فی اصول الحنابلۃ بحوالہ حاشیۃ الضعفاء الکبیر للعقیلی ۲۴/۱)

عرض ہے کہ ابوالورد کون ہے؟ اس کا کوئی اتا پتا نہیں ہے لہٰذا یہ بے سند دعویٔ رجوع مردود ہے۔

اگر کوئی کہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے باریک مسائل محمد بن الحسن کی کتابوں سے لئے ہیں۔ بحوالہ تاریخ بغداد (۱۷۷/۲)

عرض ہے کہ اس روایت کا ایک راوی ابوبکر محمد بن بشر بن موسیٰ بن مروان القراطیسی ہے جس کا ذکر تاریخ بغداد (۱۷۷/۲) اور تاریخ دمشق لابن عساکر (۱۱۰/۵۵) میں بغیر کسی جرح وتعدیل کے ہے لہٰذا یہ راوی مجہول الحال ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اس سے ثقہ راوی روایت کرتے ہیں اور سخاوی نے کہا: دارقطنی نے فرمایا: جس راوی سے دو ثقہ راوی روایت کریں تو اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے اور عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔ بحوالہ فتح المغیث

عرض ہے کہ سخاوی کی یہ نقل تین وجہ سے مردود ہے۔

۱: ''**وثبتت عدالته**'' کے الفاظ امام دارقطنی سے باسند صحیح یا اُن کی کسی کتاب میں ثابت نہیں ہیں۔

۲: ایک راوی باب بن عمیر جس کے دو ثقہ شاگرد (امام اوزاعی اور یحییٰ بن ابی کثیر) تھے، اُس کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: ''**مجھول**''

(الضعفاء والمتروکون للدارقطنی ص ۱۶۴ ت ۱۳۵)

۳: ایک راوی خشف بن مالک کے ذکر کے وقت امام دارقطنی نے فرمایا: جس سے دو راوی بیان کریں، اُس سے جہالت (مجہول ہونے) کا نام اُٹھ جاتا ہے... الخ
دیکھئے سنن الدارقطنی (۱۷۴/۳ ح ۳۳۳۳)

یہاں امام دارقطنی نے عدالت کا ذکر نہیں کیا۔ رہا جہالت مرتفع ہونے کا مسئلہ تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ راوی مجہول العین نہیں رہتا اور یہ علیحدہ بات ہے کہ اگر توثیق نہ ہو تو وہ مجہول الحال رہتا ہے۔ جہالتِ عین اور جہالتِ حال میں فرق کرنا چاہئے جیسا کہ محدثین کرام کا موقف ومنہج ہے۔

معلوم ہوا کہ مجہول الحال قراطیسی کی امام احمد سے روایت ثابت نہیں ہے۔

فائدہ: اگر کوئی محدث یا امام کسی راوی سے روایت ترک کرنے کا اعلان کرے یا ترک کر دے اور اُس سے اُس خاص راوی کی توثیق ثابت نہ ہو تو یہ بات اس محدث یا امام کی طرف سے راوی پر جرح ہوتی ہے اِلا یہ کہ کوئی قرینۂ صارفہ کسی خاص راوی کی تخصیص کر دے لیکن یاد رہے کہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک محدث یا امام کسی راوی سے روایت ترک کر دے تو وہ راوی متروک بن جاتا ہے۔ بلکہ یہاں بھی جمہور محدثین کو دیکھا جائے گا کہ اُن کی کیا تحقیق ہے؟ اگر وہ راوی کی توثیق کرتے ہیں تو اس کا روایت نہ کرنا مرجوح ہو کر مردود ہو جائے گا اور اگر جمہور جرح کرتے ہیں تو پھر جارحین میں اسے بھی شامل کیا جائے گا۔

اور امام احمد نے فرمایا: ''لا أروي عنه شیئاً'' میں اس سے کوئی چیز روایت نہیں کرتا۔

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۲/۲۵۸ ت ۱۸۶۲، الجرح والتعدیل ۷/۲۲۷ وسندہ صحیح)

☆ جمہور محدثین کی جرح کے ساتھ ساتھ امام احمد کا یہ اعلان کرنا کہ میں اس سے روایت نہیں کرتا، اُن کی طرف سے شیبانی مذکور پر جرح ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے مزید فرمایا: ''کان یذهب مذهب جهم'' محمد بن الحسن کا مذہب جہم (ایک بہت بڑے گمراہ) کا مذہب تھا۔ (تاریخ بغداد ۲/۱۷۹، وسندہ حسن)

☆ اگر جمہور محدثین نے کسی راوی پر جرح کر رکھی ہے تو اس کا جہمی، رافضی، ناصبی، قدری اور شیعہ وغیرہ ہونا مضر ہے اور اگر جمہور محدثین نے اس کی توثیق کر رکھی ہے تو پھر راوی پر جہمی، رافضی، ناصبی، قدری اور شیعہ وغیرہ کی جرح مردود ہے لہٰذا موثق عندالجمہور راوی کی حدیث صحیح یا حسن ہوتی ہے۔

صحیحین کے اصول کے راوی چونکہ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں لہٰذا اُن پر بدعت وغیرہ کی جرحیں مردود ہیں۔

امام احمد نے فرمایا: '' **فأما ... و محمد بن الحسن فكانا مخالفين للأثر و هاذان لهما رأي سوء** '' رہے... اور محمد بن الحسن تو دونوں (حدیث و) آثار کے مخالف تھے اور ان دونوں کی رائے بُری ہے۔ (تاریخ بغداد ۲/۱۷۹، وسندہ صحیح)

☆ اس جرح کے پہلے راوی حنبل بن اسحاق بن حنبل ثقہ ثبت تھے۔

(تاریخ بغداد ۸/۲۸۷ ت ۴۳۸۶)

حافظ ذہبی نے کہا: '' **الإمام الحافظ المحدّث الصدوق المصنّف ...** ''

(النبلاء ۱۳/۵۱)

حنبل کے شاگرد عبداللہ بن اسحاق المدائنی ثقہ تھے۔ (تاریخ بغداد ۹/۴۱۴ ت ۵۰۲۵)

مدائنی کے شاگرد اسحاق بن محمد بن اسحاق النعالی صدوق، ثقہ مامون تھے۔

(تاریخ بغداد ۶/۴۰۱ ت ۳۴۵۷)

النعالی کے شاگرد امام برقانی '' **الإمام العلامة الفقيه الحافظ الثبت ، شيخ الفقهاء والمحدثين ... صاحب التصانيف** '' تھے۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۱۷/۴۶۴)

'' **وكان ثقة ورعًا متقنًا متثبتًا فهمًا إلخ** '' (تاریخ بغداد ۴/۳۷۴ ت ۲۲۴۷)

معلوم ہوا کہ یہ سند صحیح ہے۔ اس روایت میں '' **مخالفين للأثر** '' کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ذہبی لکھتے ہیں: '' **يعني يخالف الأحاديث ويأخذ بعموم القرآن** '' یعنی محمد بن الحسن احادیث کی مخالفت کرتے تھے اور عمومِ قرآن لیتے تھے۔

(تاریخ الاسلام ج ۱۲ ص ۳۶۱)

معلوم ہوا کہ یہاں الأثر کی تشریح میں آثار اور احادیث دونوں شامل ہیں۔

③ امام ابوحفص عمرو بن علی بن بحر الفلاس البصری رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۹ھ) نے فرمایا: '' **محمد بن الحسن صاحب الرأي ضعيف** '' رائے والا محمد بن الحسن ضعیف ہے۔

(تاریخ بغداد ۲/۱۸۱، وسندہ صحیح)

☆ امام ابوحفص عمرو بن علی بن بحر بن کنیز الباہلی البصری الصیر فی الفلاس الحافظ صحیحین و سنن اربعہ کے راوی اور ثقہ حافظ ہیں۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۵۰۸۱)

حافظ ذہبی نے کہا: ''**الحافظ الإمام المجوّد الناقد**'' (النبلاء ۱۱/۴۷۰)

الفلاس کے شاگرد ابوالعباس سہل بن احمد الواسطی ثقہ ہیں۔ (تاریخ بغداد ۹/۱۱۹ ت ۴۷۳۱)

ضیاء المقدسی نے اُن سے المختارۃ میں روایت لی ہے۔ (۲/۳۸۸ ح ۷۷۴)

اور ابوعلی النیسابوری (المستدرک ۱/۱۱۶ ح ۳۹۶) وغیرہ نے ان سے روایتیں بیان کی ہیں۔

الواسطی کے شاگرد عثمان بن احمد بن السماک الدقاق ثقہ تھے۔ (المؤتلف والمختلف للدارقطنی ۳/۱۲۴۵) خطیب بغدادی، ابن شاہین اور محمد بن الحسین بن الفضل القطان وغیرہم نے انھیں ثقہ کہا۔ حاکم نیشاپوری نے کہا: ''**الثقة المأمون**''

(المستدرک ۱/۳۰۰ ح ۶۷۴)

جمہور کی اس توثیق کے بعد حافظ ذہبی کی اُن پر جرح مردود ہے۔

دیکھئے لسان المیزان (۴/۱۳۱، دوسرا نسخہ ۴/۵۸۹)

خود حافظ ذہبی نے تلخیص المستدرک میں اُن کی ایک حدیث کو صحیح کہا۔ (۳/۳۶ ح ۴۳۳۶)

اور فرمایا: ''**الشیخ الإمام المکثر الصادق مسند العراق**'' (النبلاء ۱۵/۴۴۴)

الدقاق کے شاگرد محمد بن الحسین بن الفضل القطان ثقہ ہیں۔

(تاریخ بغداد ۲/۲۴۹، المنتظم ۸/۲۰/۴۱، دوسرا نسخہ ۱۵/۱۶۹، شذرات الذہب ۳/۲۰۳)

معلوم ہوا کہ یہ سند بالکل صحیح ہے۔

④ ابواسحاق ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی (متوفی ۲۵۹ھ) نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا: ''**أسد بن عمرو و محمد بن الحسن واللؤلؤي قد فرغ اللّٰه منهم .**''

اسد بن عمرو، محمد بن الحسن اور (حسن بن زیاد) اللؤلؤی سے اللہ فارغ ہو چکا ہے۔

(احوال الرجال ص ۷۶، ۷۷ ت ۹۶۔۹۹)

☆ ابراہیم بن یعقوب بن اسحاق الجوز جانی کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا:
'' **ثقة حافظ رمي بالنصب** '' (تقریب التہذیب:۲۷۳)
جرح نمبر۲ کے تحت عرض کر دیا گیا ہے کہ جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی پر ناصبی وغیرہ کی جرح مردود ہوتی ہے۔
حافظ ذہبی نے کہا: ''**الحافظ صاحب الجرح و التعديل** '' (تاریخ الاسلام ۱۹/۲۷۲)
نیز دیکھئے تذکرۃ الحفاظ (۲/۵۴۹ ت ۵٦۸)
''اللہ فارغ ہو چکا ہے'' یہ جوز جانی کی جرح کا ایک خاص انداز ہے۔ گویا وہ سورۃ الرحمٰن کی آیت نمبر:۳۱ کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ واللہ اعلم
اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان سے نجات دے دی ہے۔
دیکھئے ماہنامہ الحدیث:۱٦ص ۳٦
⑤ امام ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم الرازی رحمہ اللہ (متوفی ۲٦۴ھ) نے فرمایا:
''**وكان محمد بن الحسن جهمياً** '' اور محمد بن الحسن جہمی تھا۔
(کتاب الضعفاء ص ۵۷۰، تاریخ بغداد ۲/۱۷۹، وسندہ صحیح)
☆ امام ابوزرعہ الرازی سے اس جرح کے راوی ابوعثمان سعید بن عمرو بن عمار الازدی البرذعی کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا: ''**الإمام الحافظ ... رحّال جوّال مصنف** '' (النبلاء ۱۴/۷۷)
اور فرمایا: ''**الحافظ الناقد** '' (تذکرۃ الحفاظ ۲/۷۴۳ ت ۷۴۲)
ابویعلیٰ الخلیلی نے کہا: ''**عالم بهذا الشأن متفق عليه تلمذ علىٰ أبي زرعة ... وله تصانيف مرضية عند العلماء** '' اس فن کے عالم ہیں، آپ پر اتفاق ہے، آپ ابوزرعہ کے شاگرد تھے.... اور آپ کی کتابیں علماء کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔ (الارشاد ۲/۶۸۲)
سعید بن عمرو البرذعی سے اسے ابوعبداللہ احمد بن طاہر بن النجم المیانجی نے بیان کیا ہے۔ ان کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا: ''**الحافظ المتقن** '' ثقہ حافظ

(تذکرۃ الحفاظ ۳/۹۳۱ ت ۸۸۵)

اورفرمایا: ''الإمام الحافظ المجود'' (النبلاء ۱۶/۱۷۱)

میانجی سے اسے ابوالحسین یعقوب بن موسیٰ الاردبیلی نے بیان کیا ہے جو کہ ثقہ تھے۔

دیکھئے تاریخ بغداد (۱۴/۲۹۵ ت ۷۶۰۵)

اردبیلی سے امام برقانی نے یہ روایت بیان کی ہے جو کہ ثقہ متقن امام تھے جیسا کہ جرح نمبر ۲ کے تحت گزر چکا ہے۔

برقانی سے یہ روایت خطیب بغدادی، ابوالفضل احمد بن الحسن بن خیرون بن ابراہیم الاسدی اور ثابت بن ابراہیم بن بندار وغیرہ نے بیان کر رکھی ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ سند بالکل صحیح ہے۔

⑥ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائی رحمہ اللہ (متوفی ۳۰۳ھ) نے کہا:

''و محمد بن الحسن ضعیف'' اور محمد بن الحسن ضعیف ہے۔

(جزء فی آخر کتاب الضعفاء والمتروکین ص ۲۶۶)

☆ اگر کوئی کہے کہ امام نسائی متشدد تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض صرف اُس حالت میں ہوسکتا ہے جب مقابلے میں جمہور کی توثیق ہو۔ اگر جمہور کی جرح ہو تو پھر یہ اعتراض فضول و مردود ہے۔ یاد رہے کہ شیبانی مذکور پر جمہور محدثین نے جرح کر رکھی ہے۔

⑦ ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد العقیلی (متوفی ۳۲۲ھ) نے محمد بن الحسن کو اپنی کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ (۴/۵۲۔۵۵) اور کوئی دفاع نہیں کیا۔

☆ اگر کوئی کہے کہ امام عقیلی وغیرہ نے صحیحین وغیرہما کے راویوں پر بھی جرح کر رکھی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کوئی قاعدہ وکلیہ نہیں کہ ہر محدّث کی ہر بات ضرور بالضرور واجب القبول ہوتی ہے بلکہ اگر مقابلے میں جمہور کی توثیق ہو تو جرح مردود ہو جائے گی اور اگر مقابلے میں جمہور کی جرح ہو تو توثیق مردود ہو جائے گی۔ اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟!

⑧ صحیح ابن حبان کے مصنف ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد التمیمی البستی رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۴ھ) نے کہا: ''وکان مرجئًا داعیًا إلیہ ... وکان عاقلاً، لیس فی الحدیث بشئ، کان یروي عن الثقات ویھم فیھا فلما فحش ذلك منه استحق ترکه من أجل کثرة خطئه، لأنه کان داعیة إلٰی مذھبھم .''

اوروہ (محمد بن الحسن الشیبانی) مرجیٔ تھا، اس (ارجاء) کی طرف دعوت دیتا تھا...وہ عقل مند تھا (لیکن) حدیث میں وہ کوئی چیز نہیں ہے، وہ ثقہ راویوں سے روایتیں بیان کرتا تھا اوران میں اسے وہم ہوجاتا تھا، جب ایسی حرکتیں اس سے بہت زیادہ صادر ہوئیں تو وہ کثرت سے غلطیاں کرنے کی وجہ سے متروک قرار دیئے جانے کا مستحق بن گیا، کیونکہ وہ ان (مرجئوں) کے مذہب کی طرف دعوت دینے والا تھا۔ (کتاب المجروحین ۲/۲۷۵،۲۷۶)

☆ اگر کوئی شخص شعبدہ بازی کرتے ہوئے معارضہ پیش کردے کہ ابن حبان نے تو فلاں فلاں راوی پر بھی جرح کی ہے، آپ وہاں کیوں نہیں مانتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ہماری بات کیوں نہیں سمجھتے؟ جرح وتعدیل میں ہمیشہ جمہور کو ترجیح ہوگی لہٰذا حافظ ابن حبان کی یہاں پر جرح چونکہ جمہور کے مطابق ہے لہٰذا مقبول ہے اور وہاں اگر جمہور کے خلاف ہو تو مردود ہوجائے گی۔

⑨ ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۵ھ) نے کہا:

''و محمد بن الحسن ھذا لیس ھو من أھل الحدیث ... والإشتغال بحدیثه شغل لا یحتاج إلیه ... وقد استغنی أھل الحدیث عما یرویه محمد ابن الحسن و أمثاله .'' محمد بن الحسن اہلِ حدیث میں سے نہیں...اس کی حدیث کے ساتھ مشغول ہونا ایسا کام ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں ہے ....محمد بن الحسن اور اس جیسے لوگوں کی روایتوں سے اہلِ حدیث بے نیاز ہیں۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ۶/۲۱۸۴)

☆ اگر کوئی کہے کہ حافظ ابن عدی اور شیبانی کے درمیان طویل فاصلہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جارح (جرح کرنے والے) یا معدل (تعدیل کرنے والے) اور مجروح یا موثق

کے درمیان اتحادِ زمانہ یا معاصرت ضروری نہیں بلکہ کوئی بھی ثقہ و عارف بالاسباب امام جرح وتعدیل کرسکتا ہے اگر چہ وہ مجروح وموثق کی وفات سے بہت بعد میں پیدا ہوا ہو۔اس جرح وتعدیل کی بنیادراوی کی روایات اور محدثینِ کرام کی گواہیاں ہوتی ہیں نہ یہ کہ اس سے ملاقات ضروری ہو۔اگر کوئی شخص معاصرت کی شرط پر بضد ہوتو عرض ہے کہ اس طرح اسماء الرجال کی کتابیں معطل ہو جائیں گی، جرح وتعدیل کا علم فضول ہو جائے گا اورتم اپنے پسندیدہ وناپسندیدہ راویوں بلکہ اماموں کی توثیق وجرح سے فارغ ہوکر ہاتھ دھوبیٹھو گے۔!

کیا اس اصول پر کوئی شخص امام ابوحنیفہ، قاضی ابو یوسف، محمد بن الحسن الشیبانی یا حسن بن زیاداللؤلؤی وغیرہم کی توثیق ثابت کرسکتا ہے؟!

⑩ امام ابوحفص عمر بن احمد بن شاہین البغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۵ھ) نے محمد بن الحسن کو اپنی مشہور کتاب تاریخ اسماء الضعفاء والمتروکین (ص۱۶۳ ت ۵۳۶) میں ذکر کیا ہے اور کوئی دفاع نہیں کیا۔

☆ اگر ابن شاہین اور عقیلی وغیرہما اپنی کتبِ ضعفاء میں کسی راوی کو ذکر کریں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کتابوں میں ذکر شدہ ہر راوی ضرور بالضرور ضعیف ومجروح ہی ہوتا ہے۔بلکہ صحیح تحقیق یہ ہے کہ جسے جمہور ثقہ کہیں وہ ثقہ ہوتا ہے اگر چہ وہ ان کتبِ ضعفاء میں مذکور ہواور جسے جمہور ضعیف کہیں وہ ضعیف ہوتا ہے اگر چہ وہ بعض کتبِ ثقات میں مذکور ہو۔

آخر میں عرض ہے کہ زیلعی حنفی نے یہ دعویٰ کررکھا ہے کہ دارقطنی نے ''غرائب مالك'' میں محمد بن الحسن الشیبانی وغیرہ کو ''من الثقات الحفاظ'' میں شامل کیا ہے۔

(نصب الرایہ ۱/۴۰۸، ۴۰۹)

یہ حوالہ کئی وجہ سے مردود ہے:

۱: جمہور کی جرح کے خلاف ہے۔

۲: اصل کتاب غرائب مالک موجودنہیں ہے تاکہ زیلعی کے دعوے کی تصدیق کی جاسکے۔

۳: دارقطنی نے قاضی ابو یوسف کے بارے میں کہا:

''أعور بين عميان ''اندھوں میں کانا۔ (تاریخ بغداد ۱۴/۲۶۰ وسندہ صحیح)
اور کہا:''هو أقوى من محمد بن الحسن ''وہ (ابو یوسف) محمد بن الحسن سے زیادہ قوی ہے۔ (سوالات البرقانی:۵۶۷)

معلوم ہوا کہ امام دارقطنی کے نزدیک محمد بن الحسن الشیبانی دیکھنے کی قوت سے محروم تھا۔ ایک مقام پر دارقطنی نے کہا:''وعندي لا يستحق الترك ''اور میرے نزدیک وہ (محمد بن الحسن) متروک قرار دیئے جانے کا مستحق نہیں ہے۔ (سوالات البرقانی:۵۶۸)

تنبیہ: امام دارقطنی کے نزدیک کسی راوی کے متروک نہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ امام دارقطنی کے نزدیک ضعیف نہیں ہے یا دوسرے محدثین کے نزدیک متروک نہیں ہے۔

اس مفصل تحقیق سے ثابت ہوا کہ درج ذیل محدثینِ کرام نے محمد بن الحسن الشیبانی پر جرح کر رکھی ہے:

① یحییٰ بن معین ② احمد بن حنبل ③ عمرو بن علی الفلاس
④ جوزجانی ⑤ ابوزرعہ الرازی ⑥ نسائی
⑦ عقیلی ⑧ ابن حبان ⑨ ابن عدی
⑩ ابن شاہین رحمہم اللہ اجمعین

امام نعیم بن حماد الصدوق المظلوم رحمہ اللہ نے فرمایا: مدینہ میں ایک لڑکے نے محمد بن الحسن سے کہا: دو کھجوروں کے بدلے میں ایک کھجور (خریدنے بیچنے) کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لڑکے نے کہا: اے چچا! آپ حدیث وسنت سے جاہل ہیں اور مشکل مسائل میں کلام کرتے ہیں۔؟!

(کتاب المعرفۃ والتاریخ ۲/۷۹۱ وسندہ حسن)

خلاصۃ التحقیق: محمد بن الحسن الشیبانی جمہور محدثین کے نزدیک مجروح یعنی ضعیف ہے۔ جمہور کے مقابلے میں صرف حاکم نیشاپوری اور آٹھویں صدی ہجری کے حافظ ہیثمی سے ابن فرقد شیبانی کی توثیق ثابت ہے جو کہ جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابلِ حجت نہیں ہے۔

☆ آخر میں کچھ فوائد پیشِ خدمت ہیں:

۱: اگر کوئی کہے کہ ''کیا فقیہ ہونا یہ تعدیل نہیں ہے؟'' عرض ہے کہ اگر جمہور محدثین جرح کریں تو فقیہ ہونا تعدیل نہیں ہے اور اگر جمہور محدثین توثیق کریں تو فقیہ ہونے کو تعدیل کی تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ نیز دیکھئے البدر المنیر لابن الملقن (ج۵ص۷۵۵)

اگر تیسری صدی کے بعد کوئی ایسا راوی ہو جس پر کوئی جرح نہ ہو تو قرائن کو دیکھ کر فقیہ اور امام وغیرہما الفاظ سے توثیق اخذ کی جا سکتی ہے مگر یاد رہے کہ جمہور کی جرح کے مقابلے میں یہ الفاظ قطعاً توثیق نہیں ہیں، فی الحال دو مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

مثال اول: ابو بشر احمد بن محمد بن عمرو بن مصعب بن بشر بن فضالہ المروزی الفقیہ کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: ''يضع الحديث '' إلخ وہ حدیث گھڑتا تھا۔ الخ

(الضعفاء والمتروکون: ۶۰، لسان المیزان ۱/ ۲۹۰، دوسرا نسخہ ۱/ ۴۳۶)

مثال دوم: ابراہیم بن علی الآمدی ابن الفراء الفقیہ کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا: وہ اپنے قصوں میں جھوٹ بولتا تھا۔ الخ (میزان الاعتدال ۱/ ۵۰، لسان المیزان ۱/ ۸۶، دوسرا نسخہ ۱/ ۱۲۵)

۲: امام شافعی رحمہ اللہ نے اگرچہ محمد بن الحسن سے روایات لکھی ہیں لیکن اس پر رد بھی کیا ہے۔ مثلاً دیکھئے مناقب الشافعی للبیہقی (۱/ ۱۸۶، وسندہ صحیح)

امام شافعی نے فرمایا: میں نے محمد بن الحسن سے مناظرہ کیا، اس نے باریک پتلے کپڑے پہن رکھے تھے پھر اس کی رگیں پھولنے لگیں اور وہ چیخنے لگا۔ الخ (تاریخ بغداد ۲/ ۱۷۷، وسندہ صحیح)

۳: قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم تلمیذِ امام ابو حنیفہ نے محمد بن الحسن الشیبانی کے بارے میں کہا: ''قولوا لهذا الكذاب يعني محمد بن الحسن ۔ هذا الذي يرويه عني سمعه مني ؟ '' اس کذاب یعنی محمد بن الحسن سے کہو۔ یہ جو مجھ سے روایتیں بیان کرتا ہے کیا اس نے سنی ہیں؟ (تاریخ بغداد ۲/ ۱۸۰، وسندہ حسن)

اس سند کے راویوں کی قاضی ابو یوسف تک توثیق درج ذیل ہے:

۱۔ بشر بن الولید بن خالد الکندی الحنفی کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا:

''الإمام العلامة المحدّث الصادق قاضي العراق '' (النبلاء ۱۰/ ۶۷۳)
خطیب بغدادی نے اُن کی تعریف کی۔ دیکھئے تاریخ بغداد (۷/ ۸۱ ت ۳۵۱۸)
حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات (۸/ ۱۴۳) میں ذکر کیا۔ ابوعوانہ نے صحیح ابی عوانہ (طبعہ جدیدہ ۴/ ۷ ح ۵۶۱۷) اور الضیاء المقدسی نے المختارہ (۱/ ۹۷ ۴ ح ۳۵۳) میں اُن سے روایت لی۔ ابن جوزی نے کہا: ''وکان عالمًا ديّنًا فقيهًا ثقة '' إلخ
(المنتظم ۱۱/ ۲۶۰ وفیات ۲۳۸ھ)

ان کے مقابلے میں بشر مذکور پر ابوعلی صالح بن محمد البغدادی: جزرہ اور ابوداود سجستانی کی جرح ثابت نہیں ہے۔ حافظ ذہبی نے بشر بن الولید الکندی الفقیہ کے ساتھ ''صح'' کی علامت لکھ کر یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ ذہبی کے نزدیک اس پر جرح مرجوح و مردود ہے۔
(دیکھئے میزان الاعتدال ۱/ ۳۲۶)

حافظ ابن حجر نے حارث بن محمد بن ابی اسامہ کے حالات میں لکھا ہے کہ (حافظ) ذہبی کی میزان الاعتدال میں اصطلاح ''صح'' کا مطلب یہ ہے کہ اس راوی کی توثیق پر عمل ہے۔
(لسان المیزان ۲/ ۱۵۹، دوسرا نسخہ ۲/ ۲۸۹)

بشر بن الولید کے شاگرد احمد بن القاسم بن محمد بن سلیمان ابوالحسن الطائی البرتی ثقہ تھے۔
(تاریخ بغداد ۴/ ۳۵۰ ت ۲۱۹۱)

احمد بن القاسم کے شاگرد احمد بن کامل بن شجرۃ القاضی البغدادی موثق عند الجمہور ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث ہیں۔ ابن رزقویہ نے ان کی زبردست تعریف کی اور حاکم و ذہبی (المستدرک وتلخیصہ ۴/ ۵۲۴ ح ۸۵۹۸) نے اُن کی حدیث کو صحیح کہا لہٰذا امام دارقطنی کی جرح مرجوح ہے۔

تنبیہ: راقم الحروف نے احمد بن کامل کے بارے میں پہلے جہاں بھی ضعیف وغیرہ کے الفاظ لکھے ہیں (مثلاً دیکھئے الحدیث: ۱۹ ص ۴۶، تحقیقی مقالات ج ۱ ص ۵۳۵) جدید تحقیق کی رو سے وہ ساری جرح منسوخ ہے اور اب یہی تحقیق ہے کہ احمد بن کامل مذکور حسن الحدیث

ہیں۔ والحمدللہ

روایتِ مذکورہ میں احمد بن کامل کے شاگرد الحسن بن ابی بکر: ابراہیم بن احمد بن الحسن بن محمد بن شاذان بن حرب بن مہران البزار ثقہ ہیں۔

دیکھئے تاریخ بغداد (۲۷۹/۷ ت ۳۷۷۲)

خلاصہ یہ کہ یہ سند حسن ہے۔قاضی ابو یوسف کے حالات کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۱۹ص ۴۵۔۵۵،اور تحقیقی مقالات جلد اول ص ۵۳۳۔۵۴۸

قاضی ابو یوسف حنفی ،امام یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل وغیرہم کی جرح کے بعد اب کیا باقی رہ جاتا ہے؟ لیکن پھر بھی بعض مناقبِ مزعومہ کا جائزہ پیشِ خدمت ہے:

باب المناقب

حافظ ذہبی وغیرہ متاخرین سے محمد بن الحسن الشیبانی کی تعریف مذکور ہے لیکن یہ تین وجہ سے مردود ہے:

۱: یہ جمہور محدثین کے خلاف ہے۔

۲: یہ کبار علماء مثلاً امام احمد اور امام ابن معین وغیرہما کے خلاف ہے۔

۳: اس تعریف میں بھی واضح اوصاف توثیق موجود نہیں ہے۔

☆ اگر کوئی کہے کہ حافظ ذہبی نے امام ابوعبید رحمہ اللہ سے نقل کیا: میں نے محمد بن الحسن سے قرآن کا بڑا عالم نہیں دیکھا۔ (مناقب الامام وصاحبیہ للذہبی ص ۵۰)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول یہاں بے سند ہے اور تاریخ بغداد (۱۷۵/۲) ومناقب الصیمری (ص ۱۲۳) میں احمد بن محمد بن الصلت بن المغلس الحمانی البغدادی کی سند سے مذکور ہے۔

ابن المغلس الحمانی عرف ابن عطیہ کے بارے میں امام ابن عدی نے فرمایا:

'' وما رأیت فی الکذابین أقل حیاءً منه '' میں نے جھوٹے لوگوں میں اس

جیسا بے شرم کوئی نہیں دیکھا۔ (الکامل لابن عدی ۲۰۲/۱، دوسرا نسخہ ۳۲۸/۱)
حافظ ابن حبان نے کہا: وہ عراقیوں پر حدیثیں گھڑتا تھا۔ (المجروحین ۱۵۳/۱)
دارقطنی نے کہا: '' **يضع الحديث** '' وہ حدیث گھڑتا تھا۔ (الضعفاء والمتروکون: ۵۹)
اور فرمایا: '' **يضع الأحاديث** '' وہ حدیثیں گھڑتا تھا۔ (تاریخ بغداد ۳۴/۵ وسندہ صحیح)
محمد بن ابی الفوارس نے کہا: وہ اکثر باطل حدیثیں خود گھڑ کر بیان کرتا تھا۔ (تاریخ بغداد ۲۰۷/۴)
حاکم نیشاپوری نے کہا: اس نے حدیثیں بیان کیں جنھیں اُس نے خود گھڑ لیا تھا۔ الخ
(المدخل الی الصحیح ص ۱۲۱ ت ۱۹)

اور اس پر ابونعیم الاصبہانی وغیرہ نے جرح کی ہے۔ ایسے کذاب وضاع کی روایت موضوع ہوتی ہے اور اسے وہی شخص پیش کرنے کی جرأت کرتا ہے جو بذاتِ خود کذاب وضاع یا پرلے درجے کا جاہل ہو۔

☆ اگر کوئی شخص کہے کہ امام شافعی نے شیبانی سے حدیثیں لکھی اور روایت کی ہیں۔

عرض ہے کہ یہاں جمہور کی جرح کے بعد یہ توثیق نہیں ہے کیونکہ امام شافعی نے ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی (متروک) مطرف بن مازن الصنعانی (سخت ضعیف) اور یوسف بن خالد السمتی (کذاب) سے بھی روایتیں سن کر بیان کی ہیں۔

☆ اگر کوئی کہے کہ امام شافعی نے شیبانی کے بارے میں فرمایا: میں نے اس سے زیادہ عقل مند، زیادہ فقیہ، زاہد اور پرہیز گار نہیں دیکھا۔ (مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی ص ۵۲)

یہ روایت دو وجہ سے مردود ہے:

۱: ابن کاس النخعی تک متصل سند نا معلوم ہے۔

۲: حافظ ذہبی نے اسے '' **قول منكر** '' قرار دیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ راوی اپنی روایت کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ جانتا ہے لہٰذا کوثری کا ذہبی پر رد مردود ہے۔

یاد رہے کہ امام شافعی سے شیبانی کی حدیث کے ساتھ حجت پکڑنا ثابت نہیں ہے۔

☆ اگر کوئی کہے کہ (متاخرین میں سے) قاضی احمد بن کامل البغدادی نے محمد بن الحسن کی

تعریف کی ہے تو عرض ہے کہ یہ تعریف تین وجہ سے مردود ہے:

ا: احمد بن کامل سے اس کا راوی ابوعبیداللہ محمد بن عمران بن موسیٰ المرزبانی ہے جس کے بارے میں عتیقی نے کہا: وہ ثقہ تھا، ازہری نے کہا: وہ ثقہ نہیں تھا اور کہا: ہمارے نزدیک کذب بیانی نہیں کرتا تھا۔ ابوعبیداللہ بن الکاتب نے کہا: میں نے اس کا ایک معاملہ دیکھا ہے جس سے مجھے علم ہوا کہ وہ کذاب ہے۔ محمد بن ابی الفوارس نے کہا: اس میں اعتزال اور تشیع تھا۔ الخ عضدالدولہ (رافضی/ دیکھئے النبلاء ۱۶/۲۴۹) اس کا بہت احترام کرتا تھا۔

دیکھئے تاریخ بغداد (۳/۱۳۵، ۱۳۶)

جمہور کی جرح سے معلوم ہوا کہ مرزبانی مذکور ضعیف راوی ہے۔

۲: یہ تعریف جمہور کی جرح کے مخالف ہے۔

۳: یہ تعریف کبار محدثین کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

اگر کوئی کہے کہ امام علی بن المدینی نے محمد بن الحسن الشیبانی کو صدوق (سچا) کہا ہے۔

(تاریخ بغداد ۲/۱۸۱)

عرض ہے کہ اس قول کا راوی عبداللہ بن علی بن عبداللہ المدینی مجہول الحال ہے۔ کسی محدث سے بھی اس کی صریح توثیق ثابت نہیں ہے بلکہ امام دارقطنی کا ایک قول اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ دیکھئے سوالات السہمی (۳۸۷) اور الحدیث حضرو: ۱۶ ص ۳۱

اگر کوئی کہے کہ ''**یعرف بابن المدیني**'' یعنی وہ ابن المدینی کے ساتھ معروف (پہچانا جاتا) ہے تو عرض ہے کہ یہ کوئی توثیق نہیں مثلاً بقاء نامی راوی کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے: ''**کذاب دجال.... یعرف بابن العلّیق**'' (میزان الاعتدال ۱/۳۳۹)

اگر کوئی شخص ضد وعناد کی وجہ سے امام ابن المدینی کے اس بیٹے کو ثقہ وصدوق ہی سمجھتا ہے تو عرض ہے کہ اسی بیٹے نے اپنے باپ (امام علی بن المدینی رحمہ اللہ) سے امام ابوحنیفہ کے بارے میں پوچھا، بیٹا کہتا ہے کہ انھوں (ابن المدینی) نے فرمایا: رائے والا، اور اسے سخت ضعیف قرار دیا اور فرمایا: اگر وہ (ابوحنیفہ) میرے سامنے ہوتا تو میں کسی چیز کے بارے میں

اس سے نہ پوچھتا، اس نے پچاس حدیثوں میں غلطیاں کی ہیں۔ (تاریخ بغداد ۱۳؍ ۴۵۰)

یہ وہی سند ہے جس میں حسن بن زیاد لؤلؤی وغیرہ کو سخت ضعیف کہا گیا ہے۔ کیا خیال ہے، امام ابن المدینی کو امام ابو حنیفہ اور حسن بن زیاد کے جارحین میں بھی شمار کر لیا جائے؟!

امام ابن المدینی کے بیٹے کے ثقہ وصدوق ہونے پر اگر کسی کے پاس کوئی صریح حوالہ ہے تو پیش کرے ورنہ اسے مجہول الحال تسلیم کرنے کے سوا دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔

☆ اگر کوئی کہے کہ حاکم نے محمد بن الحسن کی حدیث کو صحیح کہا ہے تو عرض ہے کہ یہ تصحیح تین وجہ سے مردود ہے:

۱: حافظ ذہبی نے اس حدیث کی تلخیص میں حاکم پر رد کرتے ہوئے کہا:

''قلت: بالدبوس'' میں نے کہا: ڈنڈے کے زور سے۔! (تلخیص المستدرک ۴؍ ۳۴۱ ح ۷۹۹۰)

ذہبی کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے عبدالرؤف المناوی نے لکھا ہے:

''وتعقبه الذهبي و شنع فقال : قلت بالدبوس'' اور ذہبی نے اُن (حاکم) پر تعاقب (رد) کیا اور طنز و تشنیع کرتے ہوئے فرمایا: میں نے کہا: ڈنڈے کے زور سے۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۶؍ ۴۸۹ ح ۹۶۸۸)

معلوم ہوا کہ یہ تصحیح ذہبی کے نزدیک مردود ہے۔

۲: یہ جمہور محدثین کے خلاف ہے۔

۳: بعض راویوں پر آلِ تقلید جرح کرتے ہیں مثلاً محمد بن اسحاق بن یسار، مؤمل بن اسماعیل اور عبدالحمید بن جعفر وغیرہ۔ حالانکہ حاکم اور ذہبی دونوں نے ان کی احادیث کو صحیح کہا ہے۔ مثلاً دیکھئے المستدرک (حدیث ابن اسحاق ۴؍ ۳۸۰ ح ۸۱۴۷ قال: صحیح، ووافقہ الذہبی، حدیث مؤمل ۱؍ ۳۸۴ ح ۱۴۱۸، وصححہ علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذہبی، حدیث عبدالحمید بن جعفر ۱؍ ۵۰۰ ح ۱۸۴۲، وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)

یہاں پر یہ لوگ جمہور کے موافق حاکم کی تصحیح نہیں مانتے اور وہاں جمہور کے خلاف تصحیح مان لیتے ہیں، کیا انصاف ہے۔ سبحان اللہ!

☆ اگر کوئی کہے کہ لفظ امام بھی زبردست تعدیل میں شمار ہوتا ہے تو عرض ہے کہ جس کی جمہور توثیق کریں تو وہاں اس سے تعدیل مراد لی جاسکتی ہے لیکن جمہور کی جرح والے مجروح راوی کے بارے میں یہ تعدیل نہیں ہے۔

ایک مشہور حنبلی امام عبیداللہ بن محمد بن بطہ العکبر ی کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''**إمام لکنه لین، صاحب أوهام** '' وہ امام ہیں لیکن کمزور (اور) صاحبِ اوہام (واخطاء) ہیں۔ (المغنی فی الضعفاء ۳۱/۲ ت ۳۹۴۴)

حفص بن عمر بن ابی حفص الواسطی النجار الامام پر جرح کے لئے دیکھئے لسان المیزان (۳۲۷/۲، ۳۲۸، دوسرا نسخہ ۶۰۹/۲)

محمد بن اسحاق بن یسار کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''**المدني الإمام رأی أنسًا** '' مدنی امام، آپ نے انس (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا۔ (الکاشف ۱۸/۳ ت ۴۷۸۹)

مگر آلِ تقلید میں سے بہت سے اسے توثیق نہیں مانتے اور فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں ابنِ اسحاق مذکور کو شدید تنقید و جرح کا نشانہ بناتے ہیں۔ مثلاً ایک بریلوی غلام مصطفیٰ نوری نے لکھا ہے: '' پھر اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے جو کہ کذاب ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ یہ سند انتہائی درجہ کی مجروح ہے اور حجت نہیں ہے۔''

(کتاب: ترک رفع یدین مطبوعہ جون ۲۰۰۴ء ص ۴۱۹)

حالانکہ حافظ ذہبی نے ابن اسحاق کو امام کہا ہے اور جمہور محدثین نے اُن کی توثیق کی ہے۔ دیکھئے میری کتاب ''الکواکب الدریہ فی وجوب الفاتحہ خلف الامام فی الجہریہ'' (ص ۶۰)

بلکہ بریلویت کے ''امام'' احمد رضا خان بریلوی صاحب لکھتے ہیں: '' ہمارے علمائے کرام قدست اسرارہم کے نزدیک بھی راجح محمد بن اسحاق کی توثیق ہی ہے۔'' الخ

(منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین ص ۱۴۵، دوسرا نسخہ ص ۱۱۶، فتاویٰ رضویہ طبع جدید ج ۵ ص ۵۹۲ واللفظ لہ)

شعبدہ بازی کرتے اور قلابازیاں کھاتے ہوئے ایک جگہ امام کے لفظ کو توثیق قرار دینا اور دوسری جگہ اسی توثیق کا جنازہ نکالتے ہوئے امام کے لفظ سے موصوف راوی کو کذاب قرار

دینا کس عدالت کا انصاف ہے؟

☆ اگر کوئی کہے کہ حافظ نورالدین ہیثمی نے شیبانی کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

(مجمع الزوائد ۶/۱۴۲، المعجم الکبیر للطبرانی ۷/۱۰۱ ح ۶۴۹۶)

عرض ہے کہ اسی صفحے پر ہیثمی نے محمد بن اسحاق کی روایت بیان کرکے ''**ورجالہ ثقات**'' کہہ کر انھیں ثقہ قرار دیا ہے، آپ لوگوں کو اس سے کیوں چڑ ہے؟

دوم یہ کہ حافظ ہیثمی متاخرین میں سے ہیں اور اُن کی یہ تحسین جمہور محدثین واکابر علماء کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

☆ اس بات سے کوئی انکار نہیں کہ محمد بن الحسن الشیبانی نے موطأ وغیرہ کتابیں لکھی تھیں مگر فی الحال تقلیدیوں کے پاس ان کتابوں کے جو نسخے ہیں اُن کی سندیں صحیح نہیں ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ ابن عدی، دارقطنی اور ابن عبدالبر وغیرہم نے گواہیاں دی ہیں تو عرض ہے کہ ان صدیوں پرانی گواہیوں سے صرف مذکورہ کتابوں کے وجود کا ثبوت ملتا ہے اور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آلِ تقلید کے موجودہ نسخے بھی باسند صحیح ثابت ہیں۔ **فافهمه فإنه مهم**

اگر کوئی کہے کہ عبدالقادر القرشی نے الجواہر المضیہ میں الموطأ للشیبانی کی سند بیان کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ سند عبدالغفار المؤدب کے ضعف اور دیگر علل کی وجہ سے ضعیف ہے اور اگر یہ صحیح بھی ثابت ہو جائے تو موجودہ نسخے عبدالقادر صاحب کے لکھے ہوئے یا بیان کئے ہوئے نہیں ہیں۔

تنبیہ: محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی کی طرف درج ذیل کتابیں منسوب ہیں:

۱: کتاب الحجۃ علیٰ اہل المدینۃ ۲: الموطأ

۳: الآثار ۴: الجامع الصغیر

۵: السیر الصغیر ۶: السیر الکبیر وغیرہ

ان میں سے الموطأ اور الآثار ابن فرقد سے باسند صحیح ثابت نہیں ہیں۔

دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۷ ص ۱۹، ۲۰ **وما علینا إلا البلاغ** (۳۰/ستمبر ۲۰۰۸ء)

تصنیف: حافظ ابن کثیر　　ترجمہ: حافظ زبیر علی زئی

اختصار علوم الحدیث (قسط نمبر ٦)

(٢٣) تیئیسویں قسم: کس کی روایت مقبول اور کس کی مقبول نہیں ہے؟ اور جرح وتعدیل کا بیان

مقبول اس ثقہ (قابلِ اعتماد) ضابط (حافظے سے اگر بیان کرے تو مضبوط حافظے والا اور اگر کتاب سے بیان کرے تو اپنا خط یا کتاب مضبوطی سے پہچانتا ہو) راوی کو کہتے ہیں جو مسلم (مسلمان) عاقل بالغ، فسق اور بداخلاقیوں سے سالم (محفوظ) ہو، اس کے ساتھ بیدار مغز ہوشیار ہو، غافل نہ ہو، اگر حافظے سے بیان کرے تو حافظ (یاد رکھنے والا) ہو، اگر روایت بالمعنی کرے تو اس کا مفہوم جاننے والا ہو۔ ان شرطوں میں سے اگر کوئی ایک شرط رہ جائے تو اس راوی کی روایت مردود ہو جاتی ہے۔

راوی کی عدالت اس کی نیک شہرت اور اچھی تعریف سے ثابت ہو جاتی ہے یا جسے ائمۂ حدیث یا دو امام یا ایک (امام) قولِ راجح میں جس کی تعدیل (توثیق) کرے، اس کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس (امام) کے راوی سے (مجرد) روایت کرنے کے ساتھ (بھی) تعدیل ثابت ہو جاتی ہے۔[1]

ابن الصلاح نے کہا: ابن عبدالبر نے وسعت اختیار کرتے ہوئے کہا ہے:

ہر صاحبِ علم جو اس (علم) کے ساتھ توجہ پر مشہور ہے وہ عادل ہے۔

اس کا معاملہ عدالت (عادل ہونے) پر محمول ہے اِلا یہ کہ اس پر جرح واضح ہو جائے کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

....

(١) یہ آخری قول صحیح نہیں ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ

اس علم کو ہر بعد میں آنے والے عادل لوگ اُٹھائیں (پڑھیں پڑھائیں) گے۔ (۱)

(ابن الصلاح نے) کہا: انھوں (ابن عبدالبر) نے جو کہا ہے وہ ناپسندیدہ وسعت (پھیلاؤ، نرمی) ہے۔ واللہ اعلم

میں (ابن کثیر) نے کہا: انھوں (ابن عبدالبر) نے جو حدیث بیان کی ہے وہ اگر صحیح ہوتی تو ان کی بات قوی تھی لیکن اس حدیث کی صحت میں مضبوط نظر ہے اور غالب یہی ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم (۲)

اور (بعض اوقات محدثین کے سامنے) راوی کا ضابط ہونا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اپنی روایات میں الفاظ اور معنی کے لحاظ سے ثقہ راویوں کی موافقت کر رکھی ہوتی ہے اور اگر اس نے ثقہ راویوں کی مخالفت کر رکھی ہو تو وہ غیر ضابط (ضعیف ومردود الروایۃ) ہوتا ہے۔ (۳)

تعدیل بغیر ذکرِ سبب کے مقبول ہوتی ہے کیونکہ اسباب کی تعداد لمبی ہے لہٰذا اسے مطلقاً قبول کیا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف جرح کو صرف اسی وقت قبول کیا جاتا ہے جب جرح مفسر ہو کیونکہ اسبابِ جرح میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہے۔

....

(۱) التمہید (۲۸/۱) حافظ ابن عبدالبر کی بیان کردہ روایت ضعیف اور غیر ثابت ہے۔ بعض علماء نے جمع وتفریق کر کے اسے حسن لغیرہ بنانے کی کوشش کی ہے لیکن حسن لغیرہ بھی ضعیف ومردود ہی ہوتی ہے۔

(۲) یہ روایت اگر صحیح بھی ہوتی تو مذکورہ استدلال پر واضح نہیں ہے۔ اس سے تمام حاملینِ علم کا عادل وضابط ہونا ثابت نہیں ہوتا اور عین ممکن ہے کہ اس سے مراد اغلبیت واکثریت ہو۔ واللہ اعلم

فائدہ: زمانۂ تدوینِ حدیث اور تیسری صدی ہجری کے بعد اگر کوئی راوی روایتِ حدیث، علم اور کسی نیک صفت کے ساتھ مشہور ہو جائے اور اس پر کوئی جرح ثابت نہ ہو تو یہ ضروری نہیں کہ ضرور اس کی توثیق ثابت کی جائے بلکہ راجح یہی ہے کہ ایسے راوی کی روایت حسن لذاتہ کے درجے سے نہیں گرتی۔ واللہ اعلم

(۳) یہ موافقت اور عدمِ موافقت تلاش کرنے کا دور گزر چکا ہے۔ اس فن کے بڑے ماہرین میں سے امام بخاری، مسلم، دارقطنی اور ابن عدی وغیرہم تھے۔

ایک چیز ایک جارح کے نزدیک فسق کا باعث (جرح) ہوتی ہے جس کی بنیاد پر وہ جرح کر دیتا ہے حالانکہ حقیقت میں یا دوسروں کے نزدیک یہ جرح نہیں ہوتی، اس لئے جرح میں بیانِ سبب کی شرط لگائی گئی ہے۔

شیخ ابوعمرو (ابن الصلاح) نے کہا: جرح وتعدیل کی کتابوں میں اکثر پایا جاتا ہے کہ فلاں ضعیف ہے یا متروک ہے وغیرہ، اگر ہم اس پر بھروسہ نہیں کریں گے تو (جرح وتعدیل کا) بہت بڑا دروازہ بند ہو جائے گا۔ (پھر انھوں نے) یہ جواب دیا کہ اگر ہم اس پر اکتفا نہیں کرتے تو اس راوی کے بارے میں توقف کرتے ہیں کیونکہ ہمیں اس کے بارے میں شک ہو گیا ہے۔

میں (ابن کثیر) نے کہا: اس فن (علمِ حدیث) کے ماہر اماموں کا کلام اسباب کے ذکر کے بغیر تسلیم کرنا چاہئے کیونکہ وہ اس علم کی معرفت، اطلاع اور عبور میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ وہ انصاف، دیانت، مہارت اور نصیحت (خیر خواہی) سے موصوف تھے، خاص طور پر وہ سب کے سب جب کسی راوی کو ضعیف، متروک یا کذاب وغیرہ قرار دیں تو ان ائمہ کی سچائی، امانت اور نصیحت کی وجہ سے ماہر محدّث ان کی موافقت سے ذرا بھی پیچھے نہیں رہتا۔

اسی لئے (امام) شافعی احادیث پر اپنے اکثر کلام میں فرماتے تھے: ''علمائے حدیث اسے ثابت نہیں سمجھتے'' وہ اس مجرد قول کے ساتھ حدیث مذکور کو رد کر دیتے اور اس سے حجت نہیں پکڑتے تھے۔ واللہ اعلم [۱]

....

(۱) جرح وتعدیل میں ہمیشہ مفسر کو مبہم پر اور خاص کو عام پر ترجیح حاصل ہے مثلاً ایک محدّث نے کہا: سفیان بن حسین ثقہ ہیں، دوسرے نے کہا: سفیان بن حسین جب زہری سے روایت کریں تو ضعیف ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سفیان بن حسین اگر زہری سے روایت کریں تو ضعیف ہیں اور اگر زہری کے علاوہ دوسروں سے روایت کریں تو ثقہ ہیں۔

فائدہ (۱): جب جرح وتعدیل دونوں مبہم ہوں یا دونوں مفسر ہوں تو عدمِ تطبیق کی صورت میں ہمیشہ جمہور محدثین کو ہی ترجیح ہوگی۔ =

اگر جرح وتعدیل میں تعارض ہوجائے تو اس حالت میں جرح مفسر ہونی چاہئے۔
(پھر) کیا یہ (جرح مفسر) مقدّم ہے یا اکثریت اور زیادہ ماہرین کو ترجیح ہوگی؟
اس مسئلے میں اصولِ فقہ، فروعِ فقہ اور علمِ حدیث میں مشہور اختلاف ہے۔
[صحیح یہ ہے کہ جرح اگر مفسر ہو تو مطلقاً مقدم ہے] واللہ اعلم [(۱)]

صحیح یہ ہے کہ جرح وتعدیل میں ایک (محدّث وامام) کا قول کافی ہے۔ رہی ثقہ کی اپنے استاذ سے (مجرّد) روایت تو کیا اس سے اس شیخ کی تعدیل ثابت ہوتی ہے؟
اس بارے میں تین اقوال ہیں:

تیسرا قول یہ ہے کہ اگر وہ (اپنے نزدیک) صرف ثقہ سے ہی روایت کرتا تھا تو توثیق ہے ورنہ نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ اس راوی کی توثیق نہیں ہوتی حتیٰ کہ اگر کوئی یہ بھی کہہ دے کہ اس کے سارے استاذ عادل (ثقہ) ہیں (تو بھی توثیق نہیں ہوتی۔) [(۲)]

اگر راوی یہ کہے کہ ''مجھے یہ حدیث ثقہ نے بیان کی ہے'' تو صحیح یہ ہے کہ یہ اس راوی کی

....

= فائدہ (۲): کتبِ جرح وتعدیل میں اماموں سے منسوب اقوال کے بارے میں یہ ضرور تحقیق کرنی چاہئے کہ یہ اقوال ان اماموں سے ثابت بھی ہیں یا نہیں؟ صرف تہذیب الکمال، میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب پر اندھادھند (بغیر تحقیق کے) اعتماد کرنا صحیح نہیں ہے مثلاً مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں ''منکر الحدیث'' کا قول امام بخاری سے ثابت ہی نہیں ہے جسے بغیر صحیح سند کے تہذیب الکمال وتہذیب التہذیب وغیرہما میں لکھ دیا گیا ہے۔

(۱) اگر جرح مفسر سے مراد راوی کو مدلّس، مختلط یا ضعیف فی فلان کہنا ہے تو تعدیلِ مبہم کے مقابلے میں جرح مفسر مطلقاً مقدم ہے اور اگر اس سے مراد راوی کو کذاب، متروک، کثیر الغلط، سیئ الحفظ اور ضعیف وغیرہ کہنا ہے تو پھر جمہور اور اکثر محدثین کو مطلقاً ترجیح حاصل ہے۔ چند محدثین کی شاذ جرح لے کر جمہور محدثین کی توثیق کو رد کر دینا غلط ہے.
تنبیہ: ایسا کبھی نہیں ہونا چاہئے کہ اپنی مرضی کی روایت کے راوی پر تمام جروح کو مبہم کہہ کر رد کر دیں اور مرضی کے خلاف روایت پر ایسی تمام جروح کی مدد سے جرح کر کے روایت کو رد کر دیں، ایسا کرنا انھی لوگوں کا کام ہے جو علمِ حدیث کو بازیچۂ اطفال سمجھتے ہیں۔ فائدہ: جس راوی کی توثیق جمہور محدثین سے ثابت ہو جائے پھر بعض محدثین کا اس سے روایت ترک کر دینا یا ''ترکہ فلان'' کہہ دینا جرح مبہم اور مردود ہے۔

(۲) اگر ایک راوی کے دو یا زیادہ شاگرد ہیں اور اس پر کوئی جرح نہیں ہے۔ ابن حبان یا کسی متساہل محدّث =

توثیق نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے یہ اس کے نزدیک ثقہ ہو لیکن دوسروں کے نزدیک ثقہ نہ ہو۔
یہ بات واضح ہے۔ والحمدللہ

(ابن الصلاح نے) کہا: اس طرح عالم کا کسی حدیث کے مطابق فتویٰ یا عمل اس بات کی دلیل نہیں ہوتا کہ یہ حدیث اس کے نزدیک صحیح ہے۔

میں (ابن کثیر) نے کہا: اس میں نظر ہے، جب اس باب میں اس حدیث کے سوا اور کچھ نہ ہو یا اس نے اپنے فتویٰ یا فیصلے میں اس سے استدلال کیا ہو یا اس کے مقتضا (تقاضے اور مطلوب) پر استشہاد کیا ہو۔ (۱)

ابن الحاجب (النحوی) نے کہا: عدالت کی شرط لگانے والے حاکم کا حکم بالاتفاق تعدیل (وتوثیق) ہے۔ (منتہی الوصول ۲/۶۶)

کسی عالم کا کسی خاص حدیث کو جاننے کے باوجود چھوڑ دینا بالاتفاق حدیث پر جرح نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اسے صحیح سمجھتے ہوئے اپنے نزدیک کسی مضبوط معارض (مثلاً عمومِ حدیث یا اجماع وغیرہ) کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا ہو۔

مسئلہ: جمہور محدثین کے نزدیک اس راوی کی روایت مقبول نہیں ہے جو ظاہری و باطنی لحاظ

....

= نے اس کی توثیق کر رکھی ہے پھر ایسی حالت میں اس کی دوسری توثیق یا اس کا ایسا شاگرد مل جائے جو عام طور پر اپنے نزدیک صرف ثقہ سے ہی روایت کرتا تھا تو ایسا راوی حسن لذاتہ کے درجے کا راوی ہوتا ہے۔

فائدہ (۱): اگر کوئی محدّث کسی حدیث کو ''صحیح'' ''سندہ صحیح'' ''حسن'' یا ''سندہ حسن'' وغیرہ کہہ دے تو یہ اس کی طرف سے اس حدیث کے ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے اِلا یہ کہ کسی خاص راوی کے بارے میں اس کی جرح ثابت ہو جائے مختصر یہ کہ حدیث کی تصحیح و تحسین اُس کے راویوں کی توثیق ہوتی ہے۔

فائدہ (۲): اگر کسی مجہول یا مستور راوی کی توثیق صراحتاً یا اشارتاً کم از کم دو متساہل محدثین مثلاً ابن حبان اور ترمذی یا ابن حبان اور الحاکم سے ثابت ہو جائے تو ایسا راوی حسن الحدیث ہوتا ہے۔

(۱) عین ممکن ہے کہ اس عالم نے اپنے فتوے یا عمل پر کسی آیت کے عموم، قیاس یا اجتہاد سے استدلال کیا ہو یا آثارِ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین وغیرہ کو پیشِ نظر رکھا ہو لہٰذا حافظ ابن کثیر کا ابن الصلاح پر رد صحیح نہیں ہے۔

سے مجہول العدالت (مجہول العین) ہو۔[۱] جس کی باطنی عدالت مجہول (نامعلوم) ہو لیکن ظاہر میں وہ عادل ہو تو اسے مستور کہتے ہیں۔ بعض شوافع (مثلاً بغوی اور رافعی) نے اس کی روایت کو قبول کیا ہے۔ فقیہ سلیم بن ایوب نے اسے ترجیح دی ہے اور ابن الصلاح نے ان کی موافقت کی ہے.[۲] میں نے اس کی تحقیق (اپنی کتاب) المقدمات میں لکھی ہے۔ واللہ اعلم[۳]

رہا ایسا مبہم جس کا نام معلوم نہ ہو یا نام معلوم ہو مگر مجہول العین ہو تو ہمارے علم کے مطابق کوئی بھی اس کی روایت قبول نہیں کرتا لیکن بعض علماء کے نزدیک اگر یہ تابعین میں سے یا خیر القرون کا راوی ہو تو اس کی روایت سے کئی مقامات پر تسلی اور راہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ [اس کی روایت سے صحیح حدیث کی تشریح، تفسیر اور تعین وغیرہ کا کام لیا جا سکتا ہے۔!] مسند امام احمد میں اس طرح کی بہت سی روایتیں ہیں۔ واللہ اعلم

خطیب بغدادی وغیرہ نے کہا: راوی کی جہالت (جہالتِ عین) علماء کی معرفت یا دو ثقہ راویوں کی روایت سے ختم ہو جاتی ہے۔ ان دو راویوں کی روایت کی وجہ سے وہ ثقہ نہیں بن جاتا۔ (بلکہ مجہول الحال رہتا ہے۔ دیکھئے الکفایہ ص ۱۴۹)

اسی طریقے پر ابن حبان وغیرہ گامزن تھے بلکہ وہ (حافظ ابن حبان) مجرد اس حال میں اس راوی کو عادل (ثقہ) سمجھتے تھے۔ واللہ اعلم[۴]

انھوں (علماء) نے کہا: جس سے صرف ایک راوی روایت کرے مثلاً عمرو بن ذی مُر، جبار الطائی اور سعید بن ذی حُدان _ ان سے صرف ابو اسحاق السبیعی نے روایت بیان کی ہے۔ جُرَی بن کلیب _ ان سے صرف قتادہ (بن دعامہ) نے روایت بیان کی ہے۔ خطیب نے کہا: اور ہزہار بن مِیزن _ اس سے صرف (عامر بن شراحیل) الشعبی نے

....

(۱) جس راوی کا صرف ایک شاگرد ہو اور اس کی توثیق کسی سے ثابت نہ ہو، وہ مجہول العین ہوتا ہے۔

(۲) محبّ الطبری بھی اسے صحیح سمجھتے تھے۔ دیکھئے المقنع لابن الملقن (۲۵۶/۱) !

(۳) جس کے دو یا زیادہ شاگرد ہوں اور اس کی توثیق کسی سے ثابت نہ ہو تو اسے مجہول الحال یا مستور کہتے ہیں۔ ایسے راوی کی روایت قولِ راجح میں ضعیف ہوتی ہے۔

(۴) معلوم ہوا کہ حافظ ابن حبان مجہول راویوں کی توثیق میں متساہل تھے۔

روایت بیان کی ہے۔ ابن الصلاح نے کہا: اور اس سے (سفیان) ثوری نے (بھی) روایت کی ہے۔ (۱)

ابن الصلاح نے کہا: بخاری نے مرداس الاسلمی سے روایت لی ہے اور ان سے قیس بن ابی حازم کے علاوہ کسی نے روایت بیان نہیں کی۔ مسلم نے ربیعہ بن کعب سے روایت لی ہے اور ان سے صرف ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن (بن عوف) نے روایت بیان کی ہے۔

(ابن الصلاح نے) کہا: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بخاری و مسلم کے نزدیک ایک راوی کی روایت سے بھی جہالت ختم ہو جاتی ہے اور یہ بات قابلِ توجہ ہے جیسا کہ ایک محدّث کی توثیق پر بھروسہ کرنے میں اختلاف ہے۔

میں (ابن کثیر) نے کہا: یہ توجیہ اچھی ہے لیکن بخاری و مسلم نے ایک راوی کی روایت پر اس لئے اعتماد کیا ہے کہ یہ دونوں (مرداس اور ربیعہ) صحابی ہیں اور دوسرے (راویوں) کے خلاف صحابہ کی جہالت مضر نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم

مسئلہ: اگر ایسا بدعتی راوی ہو جس کی بدعت کفر والی (مکفّرہ) ہو تو اس کی روایت کے مردود ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے اور اگر بدعتِ مکفرہ نہ ہو لیکن وہ جھوٹ بولنا حلال سمجھتا ہو تو اس کی روایت بھی مردود ہے۔ اگر وہ جھوٹ بولنا حلال نہ سمجھتا ہو تو کیا اس کی روایت مقبول ہوگی یا نہیں؟ یا (بدعت کی طرف) داعی (دعوت دینے والے) اور غیر داعی میں فرق کیا جائے گا یا نہیں؟ قدیم وجدید زمانے سے اس میں اختلاف چلا آ رہا ہے۔

جمہور (علماء) یہ کہتے ہیں کہ داعی اور غیر داعی میں فرق کیا جائے گا۔

ابن حبان نے اس پر اتفاق نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''ہمارے تمام ائمہ کے نزدیک (بدعت کے داعی کی) روایت حجت نہیں ہے، اس میں مجھے کوئی اختلاف معلوم نہیں ہے۔''
(دیکھئے صحیح ابن حبان ۱/۱۴۹، کتاب الثقات ۶/۱۴۰، کتاب المجروحین ۱/۸۱)

(۱) ابن الصلاح کا یہ قول وہم ہے۔ دیکھئے ابن الملقن کی کتاب المقنع (۱/۲۵۹)

اور یہی قول (امام) شافعی سے (بغیر کسی سند کے؟) مروی ہے۔ ابن الصلاح نے کہا:
یہ قول سب سے زیادہ انصاف والا اور راجح ہے۔ (بدعتی کی روایت کو) مطلقاً ممنوع قرار دینا بعید ہے اور ائمہ حدیث کے مشہور عمل کے خلاف ہے کیونکہ ان کی کتابیں ایسے مبتدعین سے بھری ہوئی ہیں جو بدعت کے داعی نہیں تھے۔ صحیحین میں ایسے مبتدعین کی شواہد و اصول میں بہت سی روایتیں ہیں۔ واللہ اعلم (۱)

میں (ابن کثیر) نے کہا: (امام) شافعی نے کہا: میں روافض میں سے خطابیہ کے سوا سب (موثّق) بدعتیوں کی گواہی قبول کرتا ہوں کیونکہ یہ خطابیہ اپنے حامیوں کے لئے جھوٹی گواہی دینا جائز سمجھتے ہیں۔ (دیکھئے کتاب الام ۶/۲۰۶ ومناقب الشافعی ۱/۴۶۸، السنن الکبریٰ ۱۰/۲۰۸، اور الکفایہ ۱۹۴، ۱۹۵)

اس قول میں (امام) شافعی نے داعی اور غیر داعی میں کوئی فرق نہیں کیا۔ پھر معنوی لحاظ سے ان دونوں میں کیا فرق ہوسکتا ہے؟

یہ بخاری ہیں جنھوں نے (سیدنا) علی (رضی اللہ عنہ) کے قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم کی تعریف کرنے والے (!) عمران بن حطان الخارجی سے (صحیح بخاری میں) روایت لی ہے اور (حالانکہ) یہ شخص بدعت کے بڑے داعیوں میں سے تھا۔ واللہ اعلم (۲)

مسئلہ: جس شخص نے لوگوں پر جھوٹ بول کر پھر توبہ کر لی ہو (اور اس توبہ پر ثابت قدم ہو) تو ابوبکر الصیرفی کے برخلاف اس کی روایت مقبول ہوتی ہے۔

....

(۱) جو راوی جمہور کے نزدیک ثقہ و صدوق ہو، چاہے بدعتی ہو یا سُنی، بدعت کا داعی ہو یا داعی نہ ہو، اس کی روایت حسن یا صحیح ہوتی ہے اور یہی قول راجح ہے۔ دیکھئے عصرِ حاضر کے ذہبی شیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی کی مشہور کتاب ''التنکیل'' (۱/۴۲۔۵۲)

(۲) عمران بن حطان خارجی کو جمہور محدثین نے ثقہ و صدوق قرار دیا ہے لہٰذا وہ حسن الحدیث راوی تھے۔ ابوالفرج الاصبہانی (الاغانی ۱۶/۱۵۳) المبرد (الکامل ۳/۱۶۹) اور ذہبی (سیر اعلام النبلاء ۴/۲۱۵) وغیرہم نے بیان کیا ہے کہ عمران مذکور نے عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی (لعنہ اللہ) کی تعریف میں قصیدہ لکھا تھا۔ (!) لیکن یہ قصیدہ یا اس کے اشعار باسند صحیح عمران بن حطان سے ثابت نہیں لہٰذا وہ اس قصیدے کے الزام سے بری ہیں۔ واللہ اعلم

رہا وہ (راوی) جس نے (نبی ﷺ کی) حدیث میں جان بوجھ کر جھوٹ بولا تو ابن الصلاح نے (امام) احمد بن حنبل اور (امام) بخاری کے استاذ (امام) ابوبکر الحمیدی سے نقل کیا ہے کہ اس کی روایت کبھی قبول نہیں کی جائے گی۔ [۱]

ابوالمظفر السمعانی نے کہا: جو شخص صرف ایک حدیث میں جھوٹ بولے تو اس کی سابقہ تمام احادیث کو رد کرنا ضروری ہے۔ (دیکھئے قواطع الادلہ ۳۲۴/۱، مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۵۱)

میں (ابن کثیر) نے کہا: علماء میں سے بعض اس آدمی کو کافر سمجھتے ہیں جس نے جان بوجھ کر حدیثِ نبوی میں جھوٹ بولا ہے اور بعض اسے قتل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کی تحقیق میں نے (اپنی کتاب) ''المقدمات'' میں لکھی ہے۔ جس شخص کو حدیث میں (غیر ارادی طور پر) غلطی لگ جائے پھر اسے صحیح بات سمجھا دی جائے مگر وہ رجوع نہ کرے تو (امام) ابن المبارک، احمد بن حنبل اور حمیدی نے کہا: اس کی روایت بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ [۲]

بعض علماء (مثلاً حافظ ابن حبان) نے درمیانہ راستہ اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: اگر اس راوی کا صحیح بات کی طرف رجوع نہ کرنا ضد اور دشمنی کی وجہ سے ہو تو اسے بھی اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا جس نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا ہے ورنہ نہیں ملایا جائے گا۔ واللہ اعلم

یہاں سے (معلوم ہوتا ہے کہ) ہر ممکن طریقے سے جھوٹ سے بچنا چاہئے اور صرف قابلِ اعتماد اصل (صحیح وثابت قلمی نسخے یا صحیح وثابت مطبوع کتاب) سے ہی روایت کرنی چاہئے۔ شاذ اور منکر روایات سے بچنا چاہئے۔ قاضی ابو یوسف (یعقوب بن ابراہیم) نے کہا: جو شخص غریب روایات اکٹھی کرتا رہتا ہے تو وہ جھوٹ (بھی) بولتا ہے۔ [۳]

....

(۱) قول احمد (الکفایۃ للخطیب ص ۱۱۷) وسندہ ضعیف، کتاب الخلال بحوالہ طبقات الحنابلۃ لابن ابی یعلی ۱۹۸/۱
قول الحمیدی (الکفایہ ص ۱۱۸) فیہ محمد بن احمد بن الحسین ولم أعرفہ وان کان ھو محمد بن احمد بن الحسن الصواف فالسند صحیح

(۲) قول ابن المبارک (الکامل لابن عدی ۱۶۱/۱، دوسرا نسخہ ۲۵۷/۱، الکفایہ ص ۱۴۳) اس میں قاسم بن عبداللہ السراج کی توثیق نامعلوم ہے لہذا یہ سند ضعیف ہے۔
قول احمد بن حنبل (الکفایہ ص ۱۴۴) اس کی سند حسن ہے۔　=

اثر یعنی مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ '' آدمی کے گناہگار (جھوٹا) ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سُنی سنائی حدیث آگے بیان کرتا پھرے۔'' (صحیح مسلم ۱/۸ ح ۵ وسندہ صحیح)

مسئلہ: جب ایک ثقہ اپنے ثقہ استاذ سے ایک حدیث بیان کرے پھر اس کا شیخ (استاذ) کلیتاً اس حدیث کی روایت کا انکار کردے تو ابن الصلاح نے یہ اختیار کیا کہ اس کے بالجزم انکار کی وجہ سے یہ روایت قبول نہیں کی جائے گی اور اس وجہ سے راوی (ومروی عنہ) کی عدالت پر کوئی جرح نہیں ہوگی، برخلاف اس کے کہ اگر استاذ یہ کہے: مجھے اس حدیث کا سننا معلوم نہیں ہے تو یہ روایت مقبول ہوگی۔ اگر راوی اپنی روایت بھول جائے تو جمہور کے نزدیک یہ مقبول ہوگی۔ بعض حنفیوں نے اسے رد کردیا ہے جیسے کہ سلیمان بن موسیٰ نے ''عن الزهري عن عروة عن عائشة'' کی سند سے (مرفوعاً) بیان کیا: جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ ابن جریج نے کہا: پھر میری زہری سے ملاقات ہوئی، میں نے ان سے یہ حدیث پوچھی تو وہ اسے نہیں پہچانتے تھے۔ (۱)

جیسے ربیعہ (بن عبدالرحمٰن الرائے) نے سہیل بن ابی صالح (ذکوان) سے انھوں نے اپنے ابا سے انھوں نے (سیدنا) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت بیان کی کہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے) ایک گواہ اور ایک قسم کے ساتھ فیصلہ کیا۔ پھر بیماری کی وجہ سے سہیل یہ حدیث بھول گئے تو وہ یہ حدیث اس طرح بیان کرتے: ''مجھے ربیعہ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی۔''

میں (ابن کثیر) نے کہا: پہلی روایت سے یہ زیادہ قابلِ قبول ہے۔ خطیب بغدادی نے اس کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے '' **من حدّث بحديث ثم نسي**. '' (۲)

....

= قول حمیدی (الکفایہ ص ۱۴۴) اس روایت کی سند میں اگر محمد بن احمد بن الحسین سے مراد محمد بن احمد بن حسن الصواف ہے تو سند صحیح ہے۔

(۳) اخبار القضاۃ محمد بن خلف بن حیان (۲۵۸/۳) بلفظ: ''ومن طلب الحدیث بالغرائب کذب'' وسندہ صحیح۔

(۱) مسند احمد (۴۷/۶ ح ۲۴۲۰۵) بسند صحیح عن ابن جریج بہ .

(۲) اس مسئلے پر سیوطی کی ایک چھوٹی سی کتاب ''تذكرة المؤتسي فيمن حدّث ونسي'' مطبوع ہے۔

مسئلہ: جو شخص حدیث بیان کرنے پر اُجرت (مزدوری) لے، کیا اس کی روایت قبول کی جائے گی یا نہیں؟ (امام) احمد (بن حنبل)، اسحاق (بن راہویہ) اور ابو حاتم (الرازی) سے مروی ہے کہ اس بداخلاقی کی وجہ سے اس سے روایت نہیں لی جائے گی۔ [۱]

ابو نعیم الفضل بن دکین (الکوفی)، علی بن عبدالعزیز اور دوسروں نے اس کی اجازت دی ہے [۲] جیسے کہ تعلیمِ قرآن کی اُجرت جائز ہے۔ صحیح بخاری میں یہ ثابت ہے کہ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) ''بے شک تم جس پر اُجرت لیتے ہو اس میں سب سے زیادہ مستحق کتاب اللہ ہے۔'' (صحیح البخاری: ۵۷۳۷)

فقیہ عراق شیخ ابو اسحاق الشیر ازی نے بغداد میں ابو الحسن بن النقور (متوفی ۴۷۶ھ) کے لئے فتویٰ دیا کہ وہ اُجرت لے سکتے ہیں، کیونکہ محدثین نے انھیں روایتِ حدیث کی وجہ سے بال بچوں کے لئے کمائی سے (روک کر) مشغول کر دیا تھا۔

مسئلہ: خطیب بغدادی نے کہا: تعدیل کی اعلیٰ ترین عبارات ''حجة'' اور ''ثقة'' ہیں۔ اور جرح کی ادنیٰ ترین عبارات ''کذاب'' کہنا ہے۔

میں (ابن کثیر) نے کہا: ان کے درمیان بہت سے اُمور ہیں جن کا ضبط مشکل ہے۔

شیخ ابو عمرو (ابن الصلاح) نے اس کے لئے مراتب پر کلام کیا ہے۔

(یاد رہے کہ) بعض اشخاص کی خاص اصطلاحات ہیں جنھیں جاننا ضروری ہے۔

اس میں سے (امام) بخاری کا یہ قول ہے کہ جب وہ کسی آدمی کے بارے میں ''سکتوا عنه'' یا ''فیه نظر'' کہیں تو یہ ان کے نزدیک ادنیٰ ترین اور ردی (بہت شدید) جرح ہوتی ہے لیکن وہ جرح میں الفاظ بہت لطیف (نرم) استعمال کرتے ہیں، اسے خوب سمجھ لیں۔ [۳]

....

(۱) قول احمد (الکفایہ ص ۱۵۴) اس کی سند صحیح ہے۔

قول اسحاق بن راہویہ (الکفایہ ص ۱۵۴) اگر یہ روایت تاریخ نیشاپور میں مل جائے تو پھر اس کی سند صحیح ہے۔ ابراہیم الصید لانی کی حدیث کو حاکم اور ذہبی دونوں نے صحیح علیٰ شرط الشیخین قرار دیا ہے۔ دیکھئے المستدرک (۴۷۶/۱ ح ۱۷۵۱)

(۲) عمل ابی نعیم (الکفایہ ص ۱۵۶، وسندہ ضعیف) اس میں کئی راویوں مثلاً علی بن ابی عمرو البلخی وغیرہ کی توثیق =

ابن معین نے کہا: میں جس کے بارے میں ''**لیس به بأس**'' کہوں تو وہ (میرے نزدیک) ثقہ ہوتا ہے۔ (دیکھئے الکفایہ ص ۲۲ وسندہ صحیح، تاریخ ابن ابی خیثمہ ص ۵۹۲ ح ۱۴۲۳، وسندہ صحیح)

ابن ابی حاتم (الرازی) نے کہا: جب کسی کے بارے میں ''**صدوق**'' یا ''**محله الصدق**'' یا ''**لا بأس به**'' کہا جائے تو یہ راوی ان لوگوں میں سے ہوتا ہے جن کی حدیث لکھی جاتی ہے اور ان کے بارے میں تحقیق جاری رکھی جاتی ہے۔ (تقدمۃ الجرح والتعدیل ۱/۳۷)

ابن الصلاح نے (امام) احمد بن صالح المصری سے نقل کیا کہ ''صرف اسی راوی کی حدیث ترک کی جاتی ہے جس کے متروک ہونے پر سب کا اجماع ہو۔''

(مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۶۰، کتاب المعرفۃ والتاریخ للامام یعقوب بن سفیان الفارسی ۲/۱۹۱، وسندہ صحیح)

ابن الصلاح نے اس بارے میں تفصیل سے کلام کیا ہے۔ محدثین کی عبارتوں پر واقفیت رکھنے والا اُن کی غالب عبارتوں اور قرینوں سے اُن کا مقصد سمجھ جاتا ہے اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔ ابن الصلاح نے کہا: ہمارے زمانے میں عام طور پر شروطِ اہلیت مفقود ہو گئی ہیں، اب صرف سلسلۂ سند کے متصل ہونے کی ہی پرواہ رہ گئی ہے لہٰذا چاہئے کہ استاذ فسق وغیرہ کے ساتھ مشہور نہ ہو اور اس کی روایت علمِ حدیث کے ماہر مشائخ کے ضبط سے اخذ شدہ ہو۔ واللہ اعلم (۱)

....

= نامعلوم ہے۔

عمل علی بن عبدالعزیز المکی البغوی (الکفایہ ص ۱۵۶) وسندہ صحیح.

حافظ ذہبی نے عبداللہ بن داود الواسطی کے ذکر میں کہا: ''بخاری نے کہا: **فیه نظر**، آپ یہ بات صرف اُسی کے بارے میں کرتے ہیں جو عام طور پر اُن کے نزدیک مُتہم (سخت ضعیف) ہوتا ہے۔'' (میزان الاعتدال ۲/۴۱۶)

(۳) امام بخاری نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں منکر الحدیث کہا گیا ہے، میں ان سے روایت لینے کا قائل نہیں ہوں اور اگر سکتوا عنہ کہیں تو اُن سے بھی میں روایت لینے کا قائل نہیں۔ (التاریخ الاوسط ۲/۱۰۷)

(۱) شیخ احمد شاکر مصری نے کہا: عدالتِ راوی کی سابقہ شرائط متقدمین میں دقت کے ساتھ تلاش کی جاتی ہیں، رہے تیسری صدی ہجری کے بعد والے متاخرین تو ان کا مسلمان بالغ عاقل اور علانیہ فسق و بداخلاقی سے محفوظ ہونا کافی ہے۔ اس کا سماع اپنے استاذ سے ثابت ہو اور وہ قابلِ اعتماد اصل (نسخے) سے روایت بیان کرتا ہو......الخ

دیکھئے الباعث الحثیث (ص ۱۱۱، ومع تعلیق الالبانی ۱/۳۲۱)

حافظ زبیر علی زئی

قربانی کے احکام و مسائل

الحمد رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علٰی رسوله الأمین ، أما بعد :

عیدالاضحیٰ کے موقع پر جو قربانی کی جاتی ہے، اس کے بعض احکام و مسائل پیشِ خدمت ہیں:

۱) سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا رأیتم هلال ذی الحجة و أراد أحدکم أن یضحّی فلیمسك عن شعره و أظفاره .)) جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھو اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو اسے بال اور ناخن تراشنے سے رُک جانا چاہئے۔ (صحیح مسلم: ۱۹۷۷، ترقیم دارالسلام: ۵۱۱۹)

اس حدیث میں ''ارادہ کرے'' سے ظاہر ہے کہ قربانی کرنا واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔

دیکھئے المحلّی لابن حزم (۳۵۵/۷ مسئلہ: ۹۷۳)

درج بالا حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قربانی کا ارادہ رکھنے والے کے لئے ناخن تراشنا اور بال مونڈنا منڈوانا، تراشنا ترشوانا جائز نہیں ہے۔

سیدنا ابوسریحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) ابوبکر (الصدیق) اور (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہما) دونوں میرے پڑوسی تھے اور دونوں قربانی نہیں کرتے تھے۔

(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۱۹۸/۷ ح ۵۶۳۳ وسندہ حسن، وحسنہ النووی فی المجموع شرح المہذب ۳۸۳/۸، وقال ابن کثیر فی مسند الفاروق ۳۳۲/۱: ''وھذا اسناد صحیح'')

سیدنا ابومسعود عقبہ بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے یہ ارادہ کیا کہ قربانی کو چھوڑ دوں، اگرچہ میں تمھارے مقابلے میں (مالی) آسانی رکھتا ہوں، اس خوف کی وجہ سے کہ کوئی آدمی اسے واجب نہ سمجھ لے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۶۵/۹ وسندہ قوی)

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: قربانی سنت ہے، واجب نہیں ہے اور جو شخص اس کی استطاعت رکھے تو میں پسند نہیں کرتا کہ وہ اسے ترک کردے۔ (الموطأ ۴۸۷/۲ تحت ح ۱۰۷۳)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: قربانی کرنا سنت ہے، میں اسے ترک کرنا پسند نہیں کرتا۔

(کتاب الام ج۱ص۲۲۱)

نیز دیکھئے المغنی لابن قدامہ (۹/۳۴۵ مسئلہ:۷۸۵۱)

امام بخاری نے فرمایا: ''باب سنة الأضحية'' (صحیح بخاری قبل ح ۵۵۴۵)

۲) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من کان له سعة ولم یضحّ فلا یقر بنّ مصلانا.))

جس آدمی کے پاس طاقت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔

(سنن ابن ماجہ:۳۱۲۳ وسندہ حسن، وصححہ الحاکم ۴/۲۳۲ ووافقہ الذہبی ورواہ احمد ۲/۳۲۱)

اس روایت میں عبداللہ بن عیاش المصری مختلف فیہ راوی ہیں جن پر کبار علماء وغیرہم نے جرح کی اور جمہور نے توثیق کی، تقریباً پانچ اور چھ کا مقابلہ ہے۔!

روایتِ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قربانی کا استخفاف وتوہین کرتے ہوئے استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرے تو اسے مسلمانوں کی عیدگاہ سے دور رہنا چاہئے یعنی یہ روایت قربانی کے استحباب وسُنیت پر محمول اور منکرینِ حدیث کا رد ہے۔

۳) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ کا کیا خیال ہے، اگر مجھے صرف مادہ قربانی (دودھ دینے والا جانور) ملے تو کیا میں اس کی قربانی کر دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن تم ناخن اور بال کاٹ لو، مونچھیں تراشو اور شرمگاہ کے بال مونڈ لو تو اللہ کے ہاں تمھاری یہ پوری قربانی ہے۔

(سنن ابی داود:۲۷۸۹ وسندہ حسن، وصححہ ابن حبان، الموارد:۱۰۴۳، والحاکم ۴/۲۲۳ والذہبی)

اس حدیث کے راوی عیسیٰ بن ہلال الصدفی صدوق ہیں۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۵۳۳۷)

انھیں یعقوب بن سفیان الفارسی (المعرفۃ والتاریخ ۲/۵۱۵، ۴۸۷) اور ابن حبان وغیرہما نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ایسے راوی کی روایت حسن کے درجے سے کبھی نہیں گرتی۔

عیاش بن عباس القتبانی ثقہ تھے۔ دیکھئے التقریب (۵۲۶۹) باقی سند صحیح ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص قربانی کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو، وہ اگر ذوالحجہ کے چاند سے لے کر نمازِ عید سے فارغ ہونے تک بال نہ کٹوائے اور ناخن نہ تراشے تو اسے قربانی کا ثواب ملتا ہے۔

٤) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن .))

دو دانتوں والے (دوندے) جانور کے علاوہ ذبح نہ کرو اِلا یہ کہ تم پر تنگی ہو جائے تو دُنبے کا جذعہ ذبح کردو۔ (صحیح مسلم:۱۹۶۳، ترقیم دارالسلام:۵۰۸۲)

بکری کے اس بچے کو جذعہ کہتے ہیں جو آٹھ یا نو ماہ کا ہو گیا ہو۔

دیکھئے القاموس الوحید (ص۲۴۳)

حافظ ابن حجر نے فرمایا: جمہور کے نزدیک بھیڑ (دُنبے) کا جذعہ اسے کہتے ہیں جس نے ایک سال پورا کر لیا ہو۔ (فتح الباری ۱۰/۵ تحت ح ۵۵۴۷)

بہتر یہی ہے کہ ایک سال کا جذعہ بھیڑ میں سے ہو، ورنہ آٹھ نو ماہ کا بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم

تنبیہ بلیغ: صحیح مسلم کی اس حدیث پر عصرِ حاضر کے شیخ البانی رحمہ اللہ کی جرح (دیکھئے الضعیفۃ: ۶۵، ارواء الغلیل: ۱۱۴۵) مردود ہے۔

مستدرک الحاکم (۲۲۶/۴ ح ۷۵۳۸ وسندہ صحیح) کی حدیث سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مسنہ نہ ہونے کی حالت میں جذعہ کی قربانی کافی ہے۔

٥) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أربع لا تجوز في الأضاحي: العوراء بيّن عورها والمريضة بيّن مرضها والعرجاء بيّن ظلعها والكسير التي لا تنقي.)) چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے: ایسا کانا جس کا کاناپن واضح ہو، ایسا بیمار جس کی بیماری واضح ہو، لنگڑا جس کا لنگڑاپن واضح ہو اور بہت زیادہ کمزور جانور جو کہ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو۔

(اس حدیث کے راوی عبید بن فیروز تابعی نے) کہا: مجھے ایسا جانور بھی ناپسند ہے جس کے دانت میں نقص ہو؟ تو (سیدنا) براء (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: تمھیں جو چیز بُری لگے اُسے چھوڑ دو اور دوسروں پر اُسے حرام نہ کرو۔ (سنن ابی داود: ۲۸۰۲)

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اسے ترمذی (۱۴۹۷) ابن خزیمہ (۲۹۱۲) ابن حبان (۱۰۴۶، ۱۰۴۷) ابن الجارود (۴۸۱، ۹۰۷) حاکم (۱/۴۶۷، ۴۶۸) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ جس چیز کے بارے میں دل میں شبہ ہو اور اسی طرح مشکوک چیزوں سے بچنا جائز ہے۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگ کٹے جانور کی قربانی سے منع فرمایا ہے۔

مشہور تابعی امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے فرمایا: ایسا جانور جس کا آدھا سینگ یا اس سے زیادہ ٹوٹا ہوا ہو۔ (سنن النسائی ۷/۲۱۷، ۲۱۸ ح ۴۳۸۲ وسندہ حسن وصححہ الترمذی: ۱۵۰۴)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت میں آیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ (قربانی کے جانور میں) آنکھ اور کان دیکھیں۔ (سنن النسائی ۷/۲۱۷ ح ۴۳۸۱ وسندہ حسن وصححہ الترمذی: ۱۵۰۳، وابن خزیمہ: ۲۹۱۴ وابن حبان، الاحسان: ۵۸۹۰ والحاکم ۴/۲۲۵ والذہبی)

ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ کانے، لنگڑے، واضح بیمار، بہت زیادہ کمزور، سینگ (ٹوٹے یا) کٹے اور کان کٹے جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے۔

علامہ خطابی (متوفی ۳۸۸ھ) نے فرمایا: اس (سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ) حدیث میں دلیل ہے کہ قربانی میں معمولی نقص معاف ہے الخ (معالم السنن ۲/۱۹۹ تحت ح ۶۸۳)

معلوم ہوا کہ اگر سینگ میں معمولی نقص ہو یا تھوڑا سا کٹا یا ٹوٹا ہوا ہو تو اس جانور کی قربانی جائز ہے۔

نووی نے کہا: اس پر اجماع ہے کہ اندھے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔
(المجموع شرح المہذب ۸/۴۰۴)

٦) رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ قربانی کا گوشت، کھالیں اور جھولیں لوگوں میں تقسیم کر دیں اور قصاب کو اُس میں سے (بطورِ اجرت) کچھ بھی نہ دیں۔
دیکھئے صحیح بخاری (۱۷۱۷) وصحیح مسلم (۱۳۱۷) اور یہی مضمون فقرہ نمبر ۲۷

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو جانور اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے (مثلاً قربانی اور عقیقہ) اس کا بیچنا جائز نہیں ہے۔ دیکھئے شرح السنۃ للبغوی (۱۸۸/۷ ح ۱۹۵۱)

۷) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو سفید و سیاہ اور سینگوں والے مینڈھے اپنے ہاتھ سے ذبح فرمائے، آپ نے تسمیہ و تکبیر (بسم اللہ واللہ اکبر) کہی اور اپنا پاؤں اُن کی گردنوں پر رکھا۔
(صحیح مسلم: ۱۹۶۶، ترقیم دارالسلام: ۵۰۸۷، صحیح بخاری: ۵۵۶۴)

آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ چُھری کو پتھر سے تیز کرو۔ پھر آپ نے مینڈھے کو لٹا کر ذبح کیا اور فرمایا: بسم اللہ، اے میرے اللہ! محمد، آلِ محمد اور امتِ محمد (ﷺ) کی طرف سے قبول فرما۔ (صحیح مسلم: ۱۹۶۷، دارالسلام: ۵۰۹۱)

۸) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ والے سال سات (آدمیوں) کی طرف سے (ایک) اونٹ اور سات کی طرف سے (ایک) گائے ذبح کی۔
(صحیح مسلم: ۱۳۱۸، ترقیم دارالسلام: ۳۱۸۵)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ اضحیٰ (عید قربان) آ گئی تو ہم نے (ایک) گائے میں سات (آدمی) اور (ایک) اونٹ میں دس (آدمی) شریک کئے۔ (سنن الترمذی: ۱۵۰۱، وقال: "حسن غریب" الخ وسندہ حسن)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اونٹ میں سات یا دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور گائے میں صرف سات حصہ دار ہوتے ہیں۔ بکری اور مینڈھے میں اتفاق ہے کہ صرف ایک آدمی کی طرف سے ہی کافی ہے۔

حدیثِ ابن عباس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سفر میں قربانی کرنا جائز ہے۔

۹) نمازِ عید کے بعد قربانی کرنی چاہئے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۵۵۴۵) وصحیح مسلم (۱۹۶۱)
عید کی نماز سے پہلے قربانی جائز نہیں ہے۔ نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۲۴

۱۰) سیدنا ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: مسلمانوں میں سے کوئی (مدینہ میں) اپنی قربانی خریدتا تو اسے (کھلا پلا کر) موٹا کرتا پھر اضحیٰ کے بعد آخری ذوالحجہ (!) میں اسے ذبح کرتا تھا۔

(المستخرج لابی نعیم بحوالہ تغلیق التعلیق ۶/۵ وسندہ صحیح، وقال احمد: "ھذا الحدیث عجب" صحیح البخاری قبل ح ۵۵۵۳ تعلیقاً)

تنبیہ: "مدینہ میں" والے الفاظ صحیح بخاری میں ہیں۔

۱۱) میت کی طرف سے قربانی کا ذکر جس حدیث میں آیا ہے وہ شریک القاضی اور حکم بن عتیبہ دو مدلسین کی تدلیس (عن سے روایت کرنے) اور ابوالحسناء مجہول کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (۲۷۹۰ بتحقیقی) سنن الترمذی (۱۴۹۵)
اور اضواء المصابیح (۱۴۶۲)

تاہم صدقے کے طور پر میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے لہٰذا اس قربانی کا سارا گوشت اور کھال وغیرہ مسکین یا مساکین کو صدقے میں دینا ضروری ہے۔

تنبیہ: عام قربانی (جو صدقہ نہ ہو) کی کھال خود استعمال میں لائیں یا کسی دوست کو تحفہ دے دیں، یا کسی مسکین کو صدقہ کر دیں لیکن یاد رہے کہ زکوٰۃ کی آٹھ اقسام میں قربانی کی کھالیں تقسیم کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

۱۲) سیدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم ایک بکری کی قربانی کرتے تھے، آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے (ایک بکری قربان کرتا تھا) پھر بعد میں لوگوں نے ایک دوسرے پر فخر (اور ریس) کرنا شروع کر دیا۔

(موطأ امام مالک ج ۲ ص ۴۸۶ ح ۱۰۶۹، وسندہ صحیح، النسخۃ الباکستانیہ ص ۴۹۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۶۸/۹، سنن الترمذی: ۱۵۰۵، وقال: "حسن صحیح" سنن ابن ماجہ: ۳۱۴۷ وصححہ النووی فی المجموع شرح المہذب ۳۸۴/۸)

سنن ابن ماجہ وغیرہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ اور صحابہ کا یہ

عمل رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہوتا تھا۔ (وسندہ حسن)

معلوم ہوا کہ اگر گھر کا سربراہ یا کوئی آدمی ایک قربانی کر دے تو وہ سارے گھر والوں کی طرف سے کافی ہے۔

۱۳) عیدگاہ میں قربانی کرنا جائز ہے اور عیدگاہ کے باہر اپنے گھر وغیرہ میں قربانی کرنا بھی جائز ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۵۵۵۲، ۵۵۵۱)

۱۴) قربانی کا جانور خود ذبح کرنا سنت ہے اور دوسرے سے ذبح کروانا بھی جائز ہے۔ دیکھئے الموطأ (روایۃ ابن القاسم: ۱۴۵، بتحقیقی وسندہ صحیح، السنن الصغریٰ للنسائی ۲۳۱/۷ ح۴۴۲۴، مسند احمد ۳۸۸/۳)

۱۵) رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائیں ذبح کی تھیں۔

(صحیح بخاری: ۵۵۵۹، صحیح مسلم: ۱۲۱۱)

تنبیہ: جن روایات میں آیا ہے کہ گائے کے گوشت میں بیماری ہے، اُن میں سے ایک بھی صحیح ثابت نہیں ہے۔

۱۶) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بنو تغلب والے عیسائیوں کے ذبیحے نہ کھاؤ کیونکہ وہ اپنے دین میں سے سوائے شراب نوشی کے کسی پر بھی قائم نہیں ہیں۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۸۴/۹ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ مرتدین اور ملحدین کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

۱۷) قربانی کا گوشت خود کھانا ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے۔ نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۱۹

۱۸) ایک دفعہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں قربانی کی اور سر منڈوایا، آپ فرماتے تھے: جو شخص حج نہ کرے اور قربانی کرے تو اُس پر سر منڈوانا واجب نہیں ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۸۸/۹ وسندہ صحیح، الموطأ ۴۸۳/۲ ح۱۰۶۲)

۱۹) قربانی کا گوشت خود کھانا، دوستوں رشتہ داروں کو کھلانا اور غریبوں کو تحفتاً دینا تینوں طرح جائز ہے۔ مثلاً دیکھئے سورۃ الحج (آیت نمبر ۲۸، ۳۶، اور فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۰۹/۲۶ وغیرہ)

۲۰) سیدنا عبداللہ بن عمر فرماتے تھے: جو شخص قربانی کے جانور (بیت اللہ کی طرف) روانہ کرے پھر وہ گم ہو جائیں، اگر نذر تھی تو اسے دوبارہ بھیجنے پڑیں گے اور اگر نفلی قربانی تھی تو اس کی مرضی ہے دوبارہ قربانی کرے یا نہ کرے۔ (السنن الکبریٰ ۲۸۹/۹ وسندہ صحیح)
نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۵۲ ص ۱۲، ۱۳

۲۱) سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے قربانی کے جانوروں میں ایک کانی اونٹنی دیکھی تو فرمایا: اگر یہ خریدنے کے بعد کانی ہوئی ہے تو اس کی قربانی کرلو اور اگر خریدنے سے پہلے یہ کانی تھی تو اسے بدل کر دوسری اونٹنی کی قربانی کرو۔ (السنن الکبریٰ ۲۸۹/۹ وسندہ صحیح)

۲۲) قربانی کے جانور کو ذبح کرتے وقت اس کا چہرہ قبلہ رخ ہونا چاہئے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اس ذبیحے کا گوشت کھانا مکروہ سمجھتے تھے جسے قبلہ رخ کئے بغیر ذبح کیا جاتا تھا۔
(مصنف عبدالرزاق ۴۸۹/۴ ح ۸۵۸۵ وسندہ صحیح)

۲۳) منکرینِ حدیث قربانی کی سنیت کے منکر ہیں حالانکہ متواتر احادیث وآثار سے قربانی کا سنت ہونا ثابت ہے اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ ہر جاندار میں ثواب ہے۔
دیکھئے صحیح بخاری (۲۳۶۳) وصحیح مسلم (۲۲۴۴)

۲۴) عید کی نماز میں دیر نہیں کرنی چاہئے بلکہ اسے جلدی پڑھنا سنت ہے۔
ایک دفعہ ایک امام نے عید کی نماز میں دیر کی تو عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ نے اس پر انکار کیا اور فرمایا: ہم تو اس وقت (جب چاشت کی نماز پڑھی جاتی ہے) اس نماز سے فارغ ہو جاتے تھے۔ (سنن ابی داود: ۱۱۳۵، وسندہ صحیح، وصححہ الحاکم علی شرط البخاری ۲۹۵/۱ ووافقہ الذہبی) نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۹

۲۵) اگر قربانی کا ارادہ رکھنے والا کوئی شخص ناخن یا بال کٹوا دے اور پھر قربانی کرے تو اس کی قربانی ہو جائے گی لیکن وہ گناہگار ہوگا۔ (الشرح الممتع علی زاد المستقنع لابن عثیمین ۴۳۰/۳)

۲۶) قربانی ذبح کرنے والا اور شرکت کرنے والے حصہ دار سب صحیح العقیدہ ہونے چاہئیں۔

۲۷) اگر کسی کی طرف سے قربانی کی جائے تو ذبح کے وقت اس کا نام لیتے ہوئے یہ کہنا

چاہئے کہ یہ قربانی اس (فلاں) کی طرف سے ہے۔

۲۸) قولِ راجح میں قربانی کے تین دن ہیں۔ دیکھئے الحدیث:۴۴ص ۶ تا ۱۱

آخر میں قربانی کے بارے میں امام ابن المنذر النیسابوری کی مشہور کتاب الاجماع سے اجماعی مسائل پیشِ خدمت ہیں:

''۲۱۷- اجماع ہے کہ قربانی کے دن طلوع فجر (صبح صادق) سے پہلے قربانی جائز نہیں۔

۲۱۸- اجماع ہے کہ قربانی کا گوشت مسلمان فقیروں کو کھلانا مباح ہے۔

۲۱۹- اجماع ہے کہ اگر جائز آلہ سے قربانی کرے، بسم اللہ پڑھے، حلق اور دونوں رگیں کاٹ دے اور خون بہادے، تو ایسے قربان شدہ جانور کا کھانا مباح ہے۔

۲۲۰- اجماع ہے کہ گونگے کا ذبیحہ جائز ہے۔

۲۲۱- اجماع ہے کہ ذبیحہ کے پیٹ سے بچہ مردہ برآمد ہو تو اسکی ماں کی قربانی اس کے لئے کافی ہوگی۔

۲۲۲- اجماع ہے کہ عورتوں اور بچوں کا ذبیحہ مباح ہے اگر صحیح طریقہ سے ذبح کرسکیں۔

۲۲۳- اجماع ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے اگر بسم اللہ پڑھکر ذبح کریں۔

۲۲۴- اجماع ہے کہ دارالحرب میں مقیم (اہل کتاب) کا ذبیحہ حلال ہے۔

۲۲۵- اجماع ہے کہ مجوس کا ذبیحہ حرام ہے، کھایا نہیں جائے گا۔

۲۲۶- اجماع ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں اور بچوں کا ذبیحہ حلال ہے (بسم اللہ کی شرط کے ساتھ)

۲۲۷- اجماع ہے کہ کتے شکاری جانور ہیں، اگر کسی مسلمان نے انھیں شکار کرنا سکھایا، اور بسم اللہ کے بعد شکار پر چھوڑا، اور اس نے اس شخص کے لئے شکار پکڑ لیا تو ایسا شکار کھانا جائز ہے، بشرطیکہ کالا کتا نہ ہو۔

۲۲۸- اجماع ہے کہ دریائی شکار، یا اس کی خرید وفروخت، یا خورد ونوش حالتِ احرام وغیرہ میں بھی جائز ہے۔'' (کتاب الاجماع ص ۵۲، ۵۳، مترجم ابوالقاسم عبدالعظیم)

فہرست مضامین ماہنامہ ''الحدیث'' 2008ء

شمارہ: ۴۴ جنوری ۲۰۰۸ء

شمارہ: ۴۵ فروری ۲۰۰۸ء

شمارہ:۴۶ مارچ ۲۰۰۸ء

شمارہ:۴۷ اپریل ۲۰۰۸ء

شمارہ: ۴۸ مئی ۲۰۰۸ء

شمارہ:۴۹ جون ۲۰۰۸ء

شمارہ:۵۰ جولائی ۲۰۰۸ء

شمارہ: ۵۳ اکتوبر ۲۰۰۸ء

شمارہ: ۵۴ نومبر ۲۰۰۸ء

نوٹ: دسمبر ۲۰۰۸ء (الحدیث: ۵۵) کی فہرست کے لئے دیکھئے یہی شمارہ (ص ۱)

احسن الحدیث ابوحمزہ سعید مجتبیٰ السعیدی

حج اکبر کے بارے میں ایک وہم کا ازالہ

[﴿وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ﴾ اور حجِ اکبر کے موقع پر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کے لئے اعلان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری ہیں۔ (التوبۃ:۳)]

لوگوں میں مشہور ہے کہ حج اگر جمعہ کے روز ہو تو وہ ''حج اکبر'' ہوتا ہے اور اگر باقی دنوں میں ہو تو وہ ''حج اصغر''۔

حالانکہ ہر حج ''حج اکبر'' ہوتا ہے۔ ''حج اصغر'' عمرہ کو کہا جاتا ہے۔ حجاج کرام اور اصحابِ علم بخوبی جانتے ہیں کہ حج میں کچھ احکام (مناسک) ایسے ہیں جو عمرہ میں نہیں جبکہ عمرہ کے جملہ ارکان وافعال (مناسک) حج کی طرح ہیں۔ اسی مشابہت اور مماثلت کی وجہ سے عمرہ کو ''حج اصغر'' کہا جاتا ہے۔

حج اکبر اور حج اصغر کی اس سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں، بلاشبہ جمعہ کا دن انتہائی مبارک اور افضل ہے اور اس روز حج بھی واقع ہو تو اس کی فضیلت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ خود آپ ﷺ نے جو حج کیا، وہ جمعہ کے دن ہی تھا۔ آپ نے ظہر اور عصر کی نمازیں قصر کر کے پڑھائی تھیں۔ جمعہ ادا نہیں فرمایا تھا۔ اسی لئے علماء وفقہاءِ امت کا فتویٰ ہے کہ جمعہ کے روز حج ہونے کی صورت میں عرفات میں جمعہ نہیں پڑھا جائے گا بلکہ ظہر کی نماز قصراً ادا کی جائے گی۔ نیز قرآن وحدیث میں ایسی کوئی صراحت نہیں کہ جمعہ کے دن والا حج ''حج اکبر'' ہوتا ہے بصورتِ دیگر حج اصغر۔!!

لہٰذا یہ تصور سرتاپا بے اصل اور بے بنیاد ہے، جس کی طرف کتاب وسنت میں اشارہ تک نہیں ملتا۔ اس لئے اس قسم کے تصور اور اعتقاد سے اجتناب ضروری ہے۔ (ماخوذ از: آداب حج)

☆ نیز دیکھئے کتاب: عیدین وقربانی ص ۱۴۱، ۱۴۲، تصنیف مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

حافظ ندیم ظہیر

عشرۂ ذی الحجہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ فجر کی قسم اور دس راتوں کی! (الفجر:۱،۲)
عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان دس راتوں سے مراد ذوالحجہ کا پہلا عشرہ ہے۔
(تفسیر طبری ۳۰/ ۱۰۷، وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں کے مقابلے میں دوسرے کوئی ایام ایسے نہیں جن میں نیک عمل اللہ کو ان دنوں سے زیادہ محبوب ہو۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں۔ سوائے اس مجاہد کے جو اپنی جان اور مال لے کر (جہاد کے لئے) نکلا اور پھر کسی چیز کے ساتھ واپس نہیں آیا (حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔) (صحیح بخاری:۹۶۹)

یہ دس دن ماہِ رمضان کی طرح تزکیہ نفس میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا ان ایام سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنا مکمل محاسبہ کرنا چاہئے اور وہ تمام ثابت شدہ و مسنون اعمال بجالانے چاہئیں جن سے اللہ راضی ہو۔ مثلاً:

یوم عرفہ کا روزہ: ۹ ذوالحجہ کو یوم عرفہ کہا جاتا ہے۔ اس دن کا روزہ ''سونے پہ سہاگا'' کے مترادف ہے۔ یعنی ایک تو ان دس ایام کی فضیلت، دوسرا ان فضیلت والے دنوں میں بڑی فضیلت والا عمل سرانجام دینا۔ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرفہ کے روزے کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ (روزہ) گزشتہ اور آئندہ سال کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔
(صحیح مسلم:۱۱۶۲/۱۹۶)

قربانی کا دن: اس دن میں نمازِ عیدالاضحیٰ کے علاوہ جانوروں کو قربان کرنے جیسے اعمال سرانجام دیئے جاتے ہیں جو بہت زیادہ اجر و ثواب کے حامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل کما حقہٗ ہمیں اپنے دامن میں سمیٹنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ (آمین)